سربراہانِ مملکت کے اختیارات

اسلامی اور جمہوری نظام کی روشنی میں

(تحقیقی جائزہ)

تحقیقی مقالہ برائے ایم فل (علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

وسیم احمد چوہدری

ایم فل، علومِ اسلامیہ

نگران مقالہ

ڈاکٹر سید عبدالغفار بخاری

صدر شعبہ علوم اسلامیہ

شعبہ علومِ اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

مئی ۲۰۱۹ء

سربراہانِ مملکت کے اختیارات

اسلامی اور جمہوری نظام کی روشنی میں

(تحقیقی جائزہ)

تحقیقی مقالہ برائے ایم فل (علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

وسیم احمد چوہدری

ایم فل، علومِ اسلامیہ

نگران مقالہ

ڈاکٹر سید عبدالغفار بخاری

صدر شعبہ علوم اسلامیہ

شعبہ علومِ اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

مئی ۲۰۱۹ء

©

وسیم احمد چوہدری

بسم الله الرحمن الرحيم

منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **سربراہان مملکت کے اختیارات اسلامی اور جمہوری نظام کی روشنی میں**

(تحقیقی جائزہ)

نام ڈگری: ایم فل علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: وسیم احمد چوہدری

رجسٹریشن نمبر: MP.IS.AF15.ID.20

ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری ______________________

(نگران مقالہ) نگران مقالہ کے دستخط

پروفیسر ڈاکٹر شاہد صدیقی ______________________

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز کے دستخط

بریگیڈیر محمد ابراہیم ______________________

(ڈائریکٹر جنرل) ڈائریکٹر جنرل کے دستخط

تاریخ: ________________

حلف نامہ فارم

(Candidate declaration form)

میں وسیم احمد چوہدری ولد چوہدری سلیم اختر

رجسٹریشن نمبر: MP.IS.AF15.ID.024

طالب، ایم فل علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ

بعنوان: **سربراہان مملکت کے اختیارات اسلامی اور جمہوری نظام کی روشنی میں (تحقیقی جائزہ)**

ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لیے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: وسیم احمد چوہدری

دستخط مقالہ نگار: ____________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

فہرست موضوعات

نمبر شمار	موضوعات	صفحہ نمبر
۱.	منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ	IV
۲.	حلف نامہ فارم	V
۳.	فہرست موضوعات	VI
۴.	انتساب	VIII
۵.	اظہار تشکر و امتنان	IX
۶.	مقدمہ	X
۷.	**باب اول: اسلامی مملکت کا تعارف، سربراہانِ مملکت کا تعارف اور اختیارات**	**۱**
۸.	فصل اول: مملکت کا معنٰی ومفہوم ،تعارف	۲
۹.	فصل دوم: اسلامی مملکت کے سربراہ کا تعارف	۱۰
۱۰.	فصل سوم: جمہوریت کا تعارف، اور اس کی اقسام	۲۱
۱۱.	فصل چہارم: سربراہِ مملکت کے اختیارات	۲۷
۱۲.	**باب دوم: جمہوری نظامِ حکومت ، آغاز و ارتقاء اور بنیادی نظریات**	**۳۶**
۱۳.	فصل اول: جمہوری نظامِ حکومت کا تعارف	۳۷
۱۴.	فصل دوم: جمہوری نظامِ حکومت کا آغاز و ارتقاء	۴۹
۱۵.	فصل سوم: جمہوری نظامِ حکومت کے تشکیلی پہلو	۵۶
۱۶.	فصل چہارم: جمہوری نظامِ حکومت کے بنیادی نظریات	۶۳
۱۷.	**باب سوم: اسلامی وجمہوری نظامِ حکومت میں سربراہان کی اہلیت وانتخاب کے اصول وضوابط**	**۷۰**
۱۸.	فصل اول: اسلامی نظام حکومت میں سربراہ کی اہلیت کے اصول	۷۱
۱۹.	فصل دوم: جمہوری نظام حکومت میں سربراہ کی اہلیت کے اصول	۸۰
۲۰.	فصل سوم: اسلامی نظام حکومت میں سربراہ کے انتخاب کا طریقہ کار	۸۷
۲۱.	فصل چہارم: جمہوری نظام حکومت میں سربراہ کے انتخاب کا طریقہ کار	۹۶

۱۰۲	**باب چہارم: اسلامی و جمہوری نظام حکومت میں سربراہان کے اختیارات اور اصول**	۲۲.
۱۰۳	فصل اول: اسلامی نظامِ حکومت میں سربراہ مملکت کے اختیارات کے اصول	۲۳.
۱۰۹	فصل دوم: جمہوری نظامِ حکومت میں سربراہ مملکت کے اختیارات کے اصول	۲۴.
۱۱۴	فصل سوم: اسلامی نظام حکومت میں سربراہ مملکت کے اختیارات	۲۵.
۱۲۷	فصل چہارم: جمہوری نظام میں سربراہ مملکت کے اختیارات	۲۶.
۱۳۷	نتائج مقالہ	۲۷.
۱۳۸	سفارشاتِ مقالہ	۲۸.
۱۳۹	فہرست قرآنی آیات	۲۹.
۱۴۱	فہرست احادیث مبارکہ	۳۰.
۱۴۲	فہرست اعلام	۳۱.
۱۴۳	مصادر و مراجع	۳۲.

انتساب

اپنے والدین اور اساتذہ کے نام

اظہارِ تشکر

الحمدلولیه والصلوة علیٰ نبیه وعلیٰ اله واصحبه المتادبین بادابه اما بعد!

اللہ رب العزت کا بے پناہ احسان ہے جن کے فضل و کرم سے مقالہ تکمیل کو پہنچا۔ میں ربّ العالمین کے حضور دست بادعا ہوں کہ وہ اس تحقیقی کاوش کو اپنی رضا کے لیے قبول فرمائے اورامت مسلمہ کے اجتماعی مفاد میں اسے مثبت اثرات کا حامل بنائے۔ آمین

اور اس بات پر بھی اللہ رب العزت کا شکرادا کرتاہوں کہ اس نے بندہ ناچیز کو اس عظیم کام" **سربراہان مملکت کے اختیارات اسلامی اور جمہوری نظام کی روشنی میں (تحقیقی جائزہ)**"مرتب کرنے کے لیے منتخب فرمایا میں پیغمبر کائنات حضرت محمد ﷺ کے فرمان "من لم یشکرالناس لم یشکر اللہ"کا مصداق بننے کے لیے تمام احباب اور دوستوں کے لیے دعا گو ہوں جن کی محبت خصوصی دعائیں اور قیمتی مشورے اور عملی تعاون شامل حال رہااللہ تعالی ان سب کو دنیااور آخرت میں اس کا بہترین خیر کثیر عطا فرمائے۔

اللہ تعالی کا یہ بھی احسان عظیم رہا کہ اس مقالے کے ابتدائی مرحلے سے لے کر آخری مرحلے تک ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری صدر شعبہ علوم اسلامیہ نمل یونیورسٹی اسلام آباد کی خصوصی محبت و شفقت اور توجہ مجھے حاصل رہی انھوں نے انتہائی دیانت داری کے ساتھ ضروری علمی اور فنی مہارت سے میری راہنمائی فرمائی۔ لہذا میں ان کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں اور ان کے لیے دعا گو ہوں اللہ رب العزت دنیا و آخرت میں انھیں اجر جزیل عطا فرمائے۔ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئج کے شرف اور فضل کا اعتراف نہ کرنا علمی ناقدری کی علامت ہو گی جس مادر علمی کی وجہ سے مجھے ایم فل کا تحقیقی کام کرنے کا موقع ملا اس سلسلے میں شعبہ علوم اسلامیہ کے اساتذہ کرام خصوصیت کے ساتھ جذبات تشکر کے مستحق ہیں جن میں سر فہرست ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز محترم ڈاکٹر شاہد صدیقی صاحب کا میں دل کی گہرائیوں سے ممنون ہوں، نیز اپنے تمام دوستوں اور ساتھی اساتذہ کا احسان مند ہوں اور خاص طور پر اپنی والدہ صاحبہ ،بیوی اور بچوں کا جن کی دعاؤں اور مفید مشوروں نے دوران مقالہ مجھے حوصلہ دیا۔

مقالے کی کمپو زنگ کے سلسلے میں جناب قاری محمد ابرار صدیقی کا تعاون بھی قابل ذکر ہے کہ جنہوں نے ہر مرحلے پر میرا ساتھ دیا اور وقت نکالا۔ اللہ پاک سے دعاہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان سب کو بہترین اجر عطا فرمائے۔ آمین !

مقدمہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

موضوع کا تعارف:

اسلام ایک کامل دین اور مکمل دستور حیات ہے اسلام جہاں انفرادی زندگی میں فرد کی اصلاح پر زور دیتا ہے وہیں اجتماعی زندگی کے زرین اصول وضع کرتا ہے جو زندگی کے تمام شعبوں میں انسانیت کی راہ نمائی کرتا ہے اسلام کا نظامِ سیاست و حکم رانی موجودہ جمہوری نظام سے مختلف اوراس کے نقائص و مفاسد سے بالکلیہ پاک ہے اسلامی نظامِ حیات میں جہاں عبادت کی اہمیت ہے وہیں معاملات و معاشرت اور اخلاقیات کو بھی اولین درجہ حاصل ہے، اسلام کا جس طرح اپنا نظامِ معیشت ہے اور اپنے اقتصادی اصول ہیں اسی طرح اسلام کا اپنا نظامِ سیاست و حکومت ہے

اسلامی نظام میں ریاست اور دین مذہب اور سلطنت دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں، دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں دونوں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، دونوں کے تقاضے ایک دوسرے سے پورے ہوتے ہیں، چنانچہ ماوردی نے یہ بات لکھی ہے کہ جب دین کمزور پڑتا ہے تو حکومت بھی کمزور پڑ جاتی ہے اور جب دین کی پشت پناہ حکومت ختم ہوتی ہے تو دین بھی کمزور پڑ جاتا ہے، اس کے نشانات مٹنے لگتے ہیں

اسلام بطور راہنما ایک اسلامی مملکت کے سربراہ کو کیا اختیارات اور ذمہ داریاں تفویض کرتا ہے اور ایک اسلامی مملکت میں سربراہ مملکت کو کیسے منتخب کیا جاتا ہے، اسلامی مملکت کا سربراہ بننے کے لیے اسلام نے کیا شرائط اور قیود مقرر کی ہیں سربراہان مملکت کے اختیارات کو مقالے کا موضوع بنایا ہے زیر نظر مقالہ سربراہان مملکت کے اختیارات اسلامی و جمہوری نظام کی روشنی میں تحقیقی جائزہ کے عنوان سے معنون ہے۔

جس میں اسلامی مملکت کے سربراہ کے ساتھ مروجہ جمہوری نظام میں سربراہ مملکت کے اختیارات کا جائزہ لیا گیا ہے، نیز جمہوری ریاست میں سربراہ مملکت کیسے منتخب ہوتا ہے، سربراہ مملکت بننے کے لیے جمہوری نظام میں کیا حدود و قیود ہیں ان کو مدّ نظر رکھا گیا ہے۔

اسلام ایسا کامل ضابطۂ حیات ہے جو نہ صرف انسان کو معیشت و معاشرت کے اصول وآداب سے آگاہ کرتا ہے، بلکہ زمین کے کسی حصہ میں اگر اس کے پیروکاروں کو اقتدار حاصل ہو جائے تو وہ انہیں شفاف حکمرانی کے گر بھی سکھاتا ہے،

عیسائیت کی طرح اسلام "کلیسا" اور "مملکت" کی تفریق کا کوئی تصور پیش نہیں کرتا۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ (۱)

اس آیت مبارکہ میں واضح ارشاد ہے کہ سربراہ اہل لوگوں کو بنایا جائے یہ لازمی ہے کہ جن کو آپ سربراہِ مملکت بنانے جارہے ہیں وہ اس کے اہل ہوں۔

مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ کے دوسرے حصے میں منصب ملنے کے بعد حاکم یا سربراہِ مملکت کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ بھی انصاف کے ساتھ لوگوں کے درمیان فیصلے کرے۔

انسان کی تخلیق بطورِ خلیفہ ہوئی جس کے بارے میں اللہ کا ارشاد ہے

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ﴾ (۲)

سورہ انعام میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ﴾ (۳)

یعنی یہ بات تو واضح ہے کہ انسان کو اللہ رب العزت نے اپنا نائب بنایا اسی آیت کے دوسرے حصے میں ارشاد ہے:

﴿وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ۗ﴾ (۴)

اس سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ اب سارے لوگ تو خلیفہ نہیں بن سکتے کچھ لوگ جو کہ اہل ہوں ان کو منصب دیا جائے گا اور وہ خیال نہ کریں کہ ان سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی بلکہ جو عہدہ یا درجہ دیا گیا ہے اس سے آزمایا جائے گا۔

اسی طرح جب طالوت کو بادشاہ بنایا گیا تو ان کو قوم پر جو فوقیت دی گئی وہ طاقت اور علم کی بنیاد پر دی گئی نہ کہ مال کی بنیاد پر حالانکہ مال میں دوسرے لوگ زیادہ تھے ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ﴾ (۵)

---

(۱) سورۃ النساء:۴/ ۵۸

(۲) سورۃ البقرۃ:۲/ ۳۰

(۳) سورۃ الانعام:۶/ ۱۶۵

(۴) سورۃ الانعام:۶/ ۱۶۵

(۵) سورۃ البقرۃ:۲/ ۲۴۷

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ منصب اہلیت کی بنیاد پہ ملنا چاہیئے اور جس کو منصب سونپا جارہا ہے وہ بھی اس منصب کو جاننے والا ہو جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے اس بات کا اظہار کیا کہ مجھے زمین کے خزائن کا مامور بنادیا جائے میں اس کی حفاظت بھی کروں گا اور میں اس کو جانتا بھی ہوں ارشاد ربانی ہے

﴿قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ﴾ (۱)

پھر جس کو منصب یا اختیار دیا جارہا ہے وہ طاقت اور علم کے ساتھ امانت دار بھی ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے میں آتا ہے کہ جب وہ مدین گئے تو وہاں دو لڑکیوں کی بکریوں کے ریوڑ کو پانی پلایا تو انہوں نے اپنے والد کو یہی کہا کہ انہیں اجرت پر رکھ لیں کیونکہ یہ طاقت ور بھی ہیں اور امانت دار بھی ہیں۔

﴿إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ﴾ (۲)

زیر نظر مقالہ میں اسلامی ریاست کے خدو خال اور اسلامی ریاست کے سربراہان کے لیے قرآن وحدیث کے بیان کردہ اصولوں کو مدّ نظر رکھا گیا ہے۔ اور جمہوری ریاست کے خدو خال اور جمہوری ریاست کے سربراہان کے تعین کے لیے وضع کردہ اصول وضوابط اور سربراہ مملکت کی قابلیت واہلیت کا جائزہ لیا گیا ہے۔

بیان مسئلہ:

اسلامی مملکت کا نظام حکمرانی اور اسلامی مملکت کے سربراہوں اور ان کے اختیارات کے لیے اسلام نے کیا اصول وضع کئے اسلام ایک مکمل ضابطہء حیات ہے اسلام میں مدینہ کی ریاست وہ ریاست ہے جس کے حکمران جنابِ محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے مسلمانوں نے تقریباً ہزار سال تک حکومت کی لیکن آج دنیا کی نظروں سے اسلام کی حکمرانی کا پہلو اوجھل ہو گیا ہے یا اوجھل کر دیا گیا ہے اس لیے دنیا کو اسلام کے عادِلانہ نظام سے متعارف کروانا آج کی اہم ضرورت ہے۔

مقالہ ہذا کے ذریعے سے دنیا پر ثابت کرنا کہ دنیا کے بحرانوں کا حل اسلامی نظامِ حکمرانی میں ہے اگر اسلامی اصولوں پر سربراہان مقرر کئے جائیں اور سربراہان اپنے لیے اسلام کے وضع کردہ اختیارات کے اصولوں کی پاسداری کریں تو ملک ایک مثالی حکمرانی کی نظیر بن سکتا ہے۔

---

(۱) سورۃ یوسف: ۱۲/ ۵۵

(۲) سورۃ القصص: ۲۸/ ۲۶

ملکِ پاکستان کی ترقی اور استحکام اسلامی مملکت کے لیے وضع کردہ اصول وضوابط کو اپنائے بغیر ممکن نہیں پوری دنیا عموماًاور عالمِ اسلام خصوصاً عالمی مہم کے نتیجے میں جن حالات سے دوچار ہے ان سے نکلنے کے لیے اسلام کا نظام حکمرانی اور اسلامی نظامِ حکومت کے نظریات کو کتاب وسنت سے دلائل کی روشنی میں سمجھانے کی کوشش کی تاکہ یہ مقالہ ان شاء اللہ عوام الناس کے لیے راہنمائی کا سبب بنے۔

مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیق:

۱. اسلام میں فلاحی ریاست کا تصور (دور نبوی اور خلافتِ راشدہ کے تناظر میں)، مقالہ نگار محمد بشیر احمد نمل اسلام آباد

۲. اسی طرح عصرِ حاضر میں اسلامی ریاست کی تشکیل مسلم مفکرین کے افکار کی روشنی میں، مقالہ نگار فرید الدین طارق نمل اسلام آباد

۳. اسلامی ریاست کے رہنما اور بنیادی اصول صحیح بخاری کی روشنی میں، تہمینہ جمشید خان (۱۱۴۹۹۶)۲۰۰۷ نمل اسلام آباد

۴. The principles of state and government in Islam ,Asad Muhammad ۱۱۶۸۳۱ اوپن یونیورسٹی

۵. سرکاری ملازمین کی تقرری، تربیت اور کردار السیاسۃ الشرعیۃ کی روشنی میں ، طاہرہ جبیں (۱۱۶۸۲۴)۲۰۰۷ اوپن یونیورسٹی

۶. دورِ خلافتِ راشدہ اور پاکستان میں قضاۃ کی اہلیت اور تقرری کے طریقہ کا تقابلی جائزہ، مقالہ نگار افضل محمد ۱۱۶۸۳۲ (۲۰۰۹) اوپن یونیورسٹی

۷. خلافت وجمہوریت تقابلی جائزہ، مقالہ نگار مستغیض احمد علوی نگران ڈاکٹر حمید اللہ عبد القادر (۲۰۰۳)۱۰۱ پنجاب یونیورسٹی

۸. اسلامی ریاست کی تشکیل جدید محمد اسد کے افکار کا تنقیدی جائزہ، مقالہ نگار ظہور اللہ نگران ڈاکٹر ثمر فاطمہ (۲۰۰۸)۱۳۳ پنجاب یونیورسٹی

۹. تصورِ قیادت اسلامی اور عصری افکار کا تقابلی جائزہ، مقالہ نگار مسز زریں ریاض نگران ڈاکٹر شبیر احمد منصوری (۲۰۰۹)۱۴۶ پنجاب یونیورسٹی

تحقیق کی اہمیت:

عہدِ قدیم سے اب تک ہر زمانے میں حاکمیت ریاست کا جزوِلاینفک رہی ہے۔ تاریخ میں یہ بھی آتا ہے کہ حاکمیت مختلف ادوار سے ہوتی ہوئی مختلف ممالک میں مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوتی رہی۔ اور ایسا بھی ہوا کہ اقتدار و حکومت کبھی تو بادشاہت و شہنشاہیت یا استبداد و آمریت کی شکل میں صرف ایک شخص کے ہاتھ میں رہی تو کبھی ایک مذہبی گروہ "پاپائیت" کے روپ میں مسند حکومت پر فائز ہوا۔ کبھی چند اشراف مقتدرِ اعلیٰ بن گئے اور کبھی جمہور کا اجتماعی وجود مستحقِ حاکمیت سمجھا جاتا رہا۔ غرضیکہ احوال و ظروف کے اعتبار سے حاکمیت کا نام اور اس کی ہیئت تو بدلتی رہی لیکن اس کا وجود تاریخ کے ہر دور میں موجود رہا۔

اسلام نے آکر حاکمیت اور ریاست کا الگ انداز اور تعارف پیش کیا حاکمیت کے لغوی معنیٰ اور علم سیاسیات کی رو سے اس کی تعریف و خصوصیات کے مشاہدات کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی انسان یا انسانی ادارہ فی الحقیقت حاکمیت جیسے اعلیٰ وصف سے متصف نہیں ہو سکتا۔ یعنی کوئی انسان یا انسانی ادارہ ایسا نہیں ہو سکتا جس کا ہر حکم علی الاطلاق قانون کا درجہ رکھتا ہو، اسے افرادِ ریاست حکم چلانے کے غیر محدود اختیارات حاصل ہوں اور تمام باشندے اس کی غیر مشروط اطاعت پر مجبور ہوں۔ اس کے اختیارات حکمرانی کو اس کے اپنے ارادے کے سوا کوئی خارجی چیز محدود کرنے والی نہ ہو۔ افراد کو اللہ کے مقابل کسی قسم کا حق حاصل ہونا چاہئے، وہ اپنی ذات میں قادر مطلق ہو جو جو کچھ وہ کرے وہی چیز صحیح ہو، کوئی تابع اس کو غلط قرار نہ دے سکے۔ اس لیے ناگزیر ہو کہ اس کو سبوح و قدوس اور ہر قسم کی خطا و غلطی سے پاک مانا جائے خواہ وہ ایسا ہو یا نہ ہو۔

اس لیے یہی بات زیادہ منطقی اور مبنی بر حقیقت ہے کہ مقتدرِ حقیقی اور حاکم و قانون ساز، انسان کے بجائے اللہ تعالیٰ کو تسلیم کیا جائے۔ صفاتِ حاکمیت کا اطلاق و انطباق اس لیے بھی اس ذات قدوس کو سزاوار ہے کہ غیر محدود حاکمیت فی الواقع نہ تو کسی انسانی اقتدار کو حاصل ہوسکتی ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ کسی بادشاہ، پارلیمنٹ ، قوم یا پارٹی کو کو ایک محدود دائرہ مین جو حاکمیت حاصل ہووہ اسے بے عیب اور بے خطا طریقے سے استعمال کرسکے۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ ایسا علم جو تمام متعلقہ حقائق پر حاوی ہو اور زمان و مکان کی حدود سے متجاوز ہو ایک انسان یا ایک ادارہ کو تو دور پوری نوعِ انسانی کو بھی حاصل نہیں ہوسکتی ۔

تحدید:

مقالہ ھٰذا پاکستان کے اسلامی جمہوری پارلیمانی نظام کو بیان کرنے تک محدود ہے۔

مقاصدِ تحقیق:

موضوع زیر بحث پر علمی تحقیق سے مقاصدِ ذیل کا حصول مقالہ نگار کے پیش نظر ہیں:

۱۔ اسلامی نظامِ حکومت کا تعارف، اسلامی نظام کے تحت چلنے والی مملکت کے نظریات و افکار اور مقاصد کو بیان کرنا۔

۲۔ جمہوری نظام حکومت کا تعارف، جمہوری نظام کے تحت چلنے والی مملکت کے نظریات و افکار اور مقاصد کو بیان کرنا۔

۳۔ اسلامی نظامِ حکومت میں سربراہِ مملکت کے اختیارات اور ذمہ داریاں بیان کرنا۔

۴۔ جمہوری نظامِ حکومت میں سربراہِ مملکت کے اختیارات اور ذمہ داریاں بیان کرنا۔

تحقیقی سوالات:

۱۔ اسلامی نظامِ حکومت کیا ہے؟

۲۔ جمہوری نظامِ حکومت کیا ہے؟

۳۔ اسلامی نظامِ حکومت میں سربراہ اور جمہوری نظامِ حکومت میں سربراہ کے اختیارات اور اس کے اصول و ضوابط کیا ہیں؟

پس منظری جائزہ:

حکمرانی اور طرزِ حکمرانی کے حوالے سے قرآن کریم کے نصوص شفاف اور قطعی الدلالت ہیں جو کسی ایسی قوت کے وجود کا تقاضا کرتی ہیں جو سماج سے شر کو مٹائے اور خیر کو فروغ دے یا کوئی ایسی خلافت جو عدل کو قائم کرے ،امن کو یقینی بنائے اور دہشت اور خوف کا ازالہ کرے۔

قرآن کریم کے نصوص کے علاوہ احادیث نبویہ ریاستی طریقہ کار، حق انتخاب اور حکومتی ادارہ سازی کے لیے مواد فراہم کرتی ہیں ۔ چنانچہ کتبِ احادیث میں ابواب السیر، ابواب الامارۃ، ابواب الاحکام اور اس کے مترادف ابواب اور ایسی احادیث ملتی ہیں۔ جن کا تعلق حکمرانی کے اصولوں سے ہے۔ گو کہ دوسری صدی ہجری سے پہلے سلطانی ادب کی نپی تلی اصطلاح موجود تو نہیں تھی تاہم وہ مفہوم بدرجہ اتم موجود تھا جس پر یہ اصطلاح دلالت کرتی ہے -

سلطانی ادب کی تعریف یوں کی گئی ہے: "سلطانی یا سیاستِ شرعیہ کے احکام کا اطلاق ان امور پر ہوتا ہے جو نظم حکومت، اسکے اصول، حاکم کی بالادستی اور ہر فریق کے حقوق و فرائض سے متعلق ہوں۔ قانونی اصطلاح میں اس قسم کے احکام احکامِ دستوریہ کہلاتے ہیں

مندرجہ بالا تعریف اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ اسلام کے سلطانی ادب یا اس کے مترادف کسی بھی ایسی اصطلاح جو اسی مفہوم پر دلالت کرتی ہو، تب شرعی دائرے میں داخل متصور ہو گی جب وہ کسی بھی پہلو سے شرعی نصوص کے ساتھ متصادم نہ ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سلطانی ادب سے متعلق متقدمین اور متاخرین فقہاء نے بہت ہی قابل قدر مواد چھوڑا ہے لیکن ان میں کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے بلاشبہ اس شعبہ کے متعلق خصوصی کام کیا ہے اور وہ اپنے زمانہ کے حکمرانوں کے حالات اور سیاسیات سے بخوبی طور پر واقف تھے۔ اس لیے یہاں پر چند ایک ان شخصیات اور ان کی تصانیف کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جو اس شعبہ (سلطانی ادب) سے متعلق ہیں۔

اس ضمن میں سرفہرست یعقوب بن ابراہیمؒ (م ۱۸۲ھ) المعروف بہ قاضی ابو یوسف کا نام آتا ہے جنہوں نے کتاب الخراج لکھ کر سلطانی ادب کی داغ بیل ڈالی۔ کتاب الخراج دراصل ایک مراسلہ (Epistle) ہے

السیر الکبیر میں بین الاقوامی وجنگی معاہدات، جنگ بندی کے اصول، اموال و اسیرانِ جنگ سے متعلق زریں اصول کا بیان ہے ۔ یہ اصول یورپ کے ماہرِ قانون گوئیٹس کے ان قواعد کی پیشرو ہیں جو چوٹی کے یورپی ماہرین سیاسیات میں گنے جاتے ہیں۔

سلطانی ادب کے ضمن میں عبد اللہ بن المقفعؒ (م ۱۴۲ھ) کی کتاب رسالۃ الصحابہ بھی ایک ابتدائی کاوش ہے جو کہ دراصل ایک مراسلہ ہے۔ اسے ابن مقفعؒ نے عباسی خلیفہ منصور کو بھیجا تھا جس میں ان کے ذاتی تجربات اور خلیفہ کو کی گئی وصیتوں کا ذکر ہے۔

اسی صدی میں اسی نام سے دوسری کتاب قاضی ابویعلیٰ (م ۴۵۸ھ) کی ہے جو ۲۱ فصلوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی ترتیب تقریباً امام ماوردیؒ کی کتاب کی طرح ہے۔ کتاب کے مطابق حکمران طبقہ میں چار شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

۱: قریشی ہو۔

۲:اس میں قاضی بننے کی اہلیت کے شرائط موجود ہوں جو کہ آزادی، بلوغ، عقلمندی، علم ورعدالت ہیں۔

۳:اس کو جنگی مہمات کا تجربہ ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اس میں تنفیذِ حدود کی جرأت ہو۔ اس بارے میں اس کے دل میں کسی کے لیے نرمی کا جذبہ نہ ہو۔

۴:دین اور علم کے اعتبار سے سب سے افضل ہو-البتہ غیر اختیاری حالات میں وہ اس کو بھی جائز حکمران تسلیم کرتے ہیں جو تسلط اور تلوار کے زور پر حکومت کرے۔ یہ جواز قانونِ مجبوری کے تحت ہے۔

جب انسان کو ابتدا میں حکومت ملتی ہے تو اس کو حکومت بغیر رائے اور بغیر مشیروں کے چلتی نظر آتی ہے۔ اس لیے ابن المقفع سربراہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایسی چیزیں اسے دھوکہ میں نہ ڈال دیں۔ ایسی بے توجہی سے معاملات بگاڑ کی طرف جانے لگتے ہیں اور ابتداءً حکمران کا جو رعب ہوتا ہے وہ آہستہ آہستہ تساہل برتنے سے ختم ہونے لگتا ہے۔

سربراہ کو ہمیشہ خاموش یا پھر لوگوں کے ساتھ زیادہ گھلنا ملنے نہیں چاہئے کیونکہ یہ قلت عقل کی دلیل ہوتی ہے اور اس کے رعب پر اثرانداز ہوتی ہے۔ نیز اسے زیادہ غضبناکی، جھوٹ اور کنجوسی جیسے عیوب سے بھی دامن بچانا چاہئے۔

الادب الصغیر بھی ابن المقفعؒ کی بہت اہم کتاب ہے جو اگرچہ بنیادی طور پر اجتماعی اخلاقیات سے متعلق لکھی گئی ہے جس میں مصنف نے علم کی ترغیب دی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس میں انہوں نے ملوک اور ولاۃ کی سیاست سے متعلق بھی کلام کیا ہے جیسا کہ وہ فرماتے ہیں : "**احق الناس بالسلطان أهل المعرفة اي سياسة الملك**" (۱)

ترجمہ:لوگوں میں حکمرانی کا زیادہ حقدار وہ شخص ہے جو ملک کی سیاست سے باخبر ہو یعنی اصول جہان بانی جانتا ہو۔

اس کے علاوہ امام ماوردی کی دو مزید کتابیں ہیں جو قانون الوزارۃ اور نصیحۃ الملوک کے نام سے معروف ہیں۔ اول الذکر کتاب میں امام ماوردیؒ (م ۴۵۰ھ) نے وزیر بننے کے اصول و قواعد اور اس کے طریقوں سے بحث، جب کہ ثانی الذکر کتاب میں سربراہ کو نصائح کے ذریعے سیدھے راستے پر چلنے کی نصیحت کی ہے۔

---

(۱) الادب الصغیر، ابن مقفع، مکتبہ ادبیہ نقدیہ ۱۹۷۷، جزائر، ص:۸۷

اسی صدی میں اسی نام سے دوسری کتاب قاضی ابویعلیٰ(م ۴۵۸ھ) کی ہے جو ۲۱ فصلوں پر مشتمل ہے۔اس کتاب کی ترتیب تقریباً امام ماوردیؒ کی کتاب کی طرح ہے۔کتاب کے مطابق حکمران طبقہ میں چار شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

۱: قریشی ہو۔ ۲:اس میں قاضی بننے کی اہلیت کے شرائط موجود ہوں ۔جو کہ آزادی، بلوغ، عقلمندی، علم ورعدالت ہیں۔

۳:اس کو جنگی مہمات کا تجربہ ہو اوراس کے ساتھ ساتھ اس میں تنفیذِ حدود کی جرأت ہو۔اس بارے میں اس کے دل میں کسی کے لیے نرمی کا جذبہ نہ ہو۔ ۴: دین اور علم کے اعتبار سے سب سے افضل ہو–البتہ غیر اختیاری حالات میں وہ اس کو بھی جائز حکمران تسلیم کرتے ہیں جو تسلط اور تلوار کے زور پر حکومت کرے۔یہ جواز قانونِ مجبوری کے تحت ہے۔

آپؒ کے نزدیک امامت(حکمرانی) کا انعقاد دو طریقوں سے جائز ہے:

أ- اہل حل وعقد کے اختیار کے ساتھ،جب وہ کسی کو منتخب کریں۔ب-بطریقہ نامزدگی۔یعنی کہ ماقبل حکمران مابعد کو نامزد کرے۔

اسی طرح آپؒ حکمران کے دس فرائض کا ذکر فرماتے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱- دین کی حفاظت، لیکن ان اصول پر جن پر سلف صالحین نے کی ہے۔

۲- ظالم سے مظلوم کا حق دلوانا یعنی نظام عدل کا قیام۔

۳- ملک کے دفاع کا مکمل انتظام تاکہ لوگ اطمینان کے ساتھ کاروبار زندگی کر سکیں۔

۴-حدود قائم کرتا ہو تاکہ لوگوں کے جان ومال کا تحفظ ہو جائے۔

۵-دشمنانِ اسلام سے جہاد کرے۔

۶-فیئ، زکوٰۃ اور صدقات جیسے محاصل کی وصولیاتی کر سکے۔

۷-بیت المال سے مستحقوں کو بروقت ادائیگی کرے۔

۸-ملک کے عوام کے حالات سے بنفس نفیس خبر داری حاصل کرے۔

لٰہذا جب حکمران ان فرائض کی بجا آوری میں مستعدی دکھائے گا تو پھر عوام پر اس کے دو حقوق لازم ہوتے ہیں :

۱-پہلا حق یہ ہے کہ جائز امور میں اس کی اطاعت کی جائے۔

۲-ملکی اور غیر ملکی معاملات اور امور مملکت چلانے میں حکمران کی نصرت اور تعاون کریں کیونکہ جب تک عوام کی طرف سے اطاعت اور تعاون کی فضا قائم نہیں ہو گی ملکی حالات صحیح سمت میں نہیں رہ سکتے۔لیکن اگر اس کی عدالت یا جسمانی کیفیات میں ایسا نقص آتا ہے جس سے امور مملکت کی بجا آوری میں خلل پیدا ہوتا ہو پھر اس کو معزول کیا جا سکتا ہے ۔ اسی طرح ماوردی ایک دیوان اور رجسٹر کا بھی ذکر کرتے ہیں جس میں حقوقِ سلطنت ، اموال ، اعمال ، لشکروں اور سرکاری کارندوں وغیرہ کی تمام تر تفصیلات درج ہوں -

امام تقی الدین ابن تیمیہؒ (م۷۲۸ھ) کو جہاں فقہی علوم میں ید طولیٰ حاصل تھا وہیں اپنے پیش روائمہ کی طرح سلطانی اور ریاستی امور سے متعلق تحقیقی مواد کی تیاری اور نصوص شرعیہ کے ساتھ ان کے عمل انطباق پر بھی عبور رکھتے تھے۔ آپ کی مشہور زمانہ فتاویٰ کی متعدد اجزاء ریاستی امور سے متعلق ہیں تاہم اس ضمن میں آپ کی کتاب "السیاسۃ الشرعیہ فی اصلاح الراعی والرعیہ" کو اس لحاظ سے اہمیت حاصل ہے کہ اس میں ابن تیمیہؒ نے ایک موضوع کے طور پر حاصل سیر بحث کی ہے اور اصولِ ریاست،امارت،سلطنت اور اصولِ جہانبانی خوبصورت انداز میں بیان کئے ہیں۔ یہ کتاب ساتھ فصلوں پر مشتمل ہے۔

تحقیقی طریقہ کار(اسلوب تحقیق):

مقالہ کی تحقیق کے لیے درج ذیل اسلوب اور لائحہ عمل اختیار کیا۔

۱۔مقالہ کی تحقیق کے لیے بیانیہ و دستاویزی طریقہ اپنایا۔

۲۔ تجزیاتی انداز اپناتے ہوئے موضوعِ زیر بحث کے مختلف رخ و پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی سعی کی۔

۳۔اس عمل کے لیے درج ذیل تحقیقی ذرائع کا استعمال کیا۔

۱۔ کتابیں جن میں بنیادی مصادر شامل ہیں اور ضرورت کے مطابق ثانوی مراجع کی کتب سے بھی استفادہ کیا ہے۔

۲۔ علمی مقالہ جات کا جائزہ کر کے ان سے استفادہ کیا ہے۔

۳۔ مختلف زبانوں کی ڈکشنریز انگلش، اردو، عربی سے استفادہ کیا ہے۔

۴۔ جدید دور کا ذریعہ انٹرنیٹ کے ذریعے سے کئی ویب سائٹ سے استفادہ کیا ہے۔

ابواب بندی

باب اول: اسلامی مملکت کا تعارف، سربراہانِ مملکت کا تعارف اور اختیارات

فصل اول: مملکت کا معنیٰ و مفہوم، تعارف

فصل دوم: اسلامی مملکت کے سربراہ کا تعارف

فصل سوم: جمہوریت کا تعارف، اور اس کی اقسام

فصل چہارم: سربراہِ مملکت کے اختیارات

باب دوم: اسلامی و جمہوری نظامِ حکومت، تشکیل اور بنیادی نظریات

فصل اول: اسلامی نظام حکومت کا تعارف

فصل دوم: اسلامی نظام حکومت کی بنیادی خصوصیات

فصل سوم: جمہوری نظامِ حکومت کا تعارف

فصل چہارم: جمہوری نظامِ حکومت کے بنیادی نظریات

باب سوم: اسلامی و جمہوری نظامِ حکومت میں سربراہان کی اہلیت وانتخاب کے اصول وضوابط

فصل اول: اسلامی نظام حکومت میں سربراہ کی اہلیت کے اصول

فصل دوم: جمہوری نظام حکومت میں سربراہ کی اہلیت کے اصول

فصل سوم: اسلامی نظام حکومت میں سربراہ کے انتخاب کا طریقہ کار

فصل چہارم: جمہوری نظام حکومت میں سربراہ کے انتخاب کا طریقہ کار

باب چہارم: اسلامی و جمہوری نظام حکومت میں سربراہان کے اختیارات اوراصول
فصل اول: اسلامی نظامِ حکومت میں سربراہ مملکت کے اختیارات کے اصول
فصل دوم: جمہوری نظامِ حکومت میں سربراہ مملکت کے اختیارات کے اصول
فصل سوم: اسلامی نظام حکومت میں سربراہ مملکت کے اختیارات
فصل چہارم: جمہوری نظام میں سربراہ مملکت کے اختیارات

Abstract

My topic is as under:

“Controls of Heads of State in Light of the Islamic and Democratic system”

In view of the thesis of the Islamic State and the institutions established in it and the heads of these institutions, the terms and conditions of the Qur'an and Hadith are attributed to the men who were honored in the Holy Prophet (PBUH). Investigation of the Qualifications of the People of the Democratic State and the rules and regulations set by the institutions of the democratic state and the heads of these institutions and the qualifications of the persons holding positions in Pakistan. The rule of the Islamic State and the rules of Islam for the heads of the Islamic State and their powers Islam is a complete code of Islamic law. The state of Madinah in Islam is ruled by the Prophet Mohammad (PBUH), the Muslim for almost a thousand years but the people the West has never considered discussing Islamic rule, so introducing the world to the just system of Islam is important today. Through the thesis that the world is convinced that the solution to the world's crises is in the rule of the Islamic system, if the heads of the Islamic principles are appointed and the heads follow the principles of the powers that Islam has set for them, then the country will look for an ideal rule. The development and stability of the country is not possible without adopting the rules and regulations laid down for the Islamic State to overcome the situation which is the result of the universal and universal world, especially the global campaign. He tried to explain the Sunnah in the light of the arguments so that this thesis would become a guiding for the peoples.

باب اول

اسلامی مملکت کا تعارف، سربراہانِ مملکت کا تعارف اور اختیارات

فصل اول: مملکت کا معنیٰ و مفہوم تعارف

فصل دوم: اسلامی مملکت کے سربراہ کا تعارف

فصل سوم: جمہوریت کا تعارف، اور اس کی اقسام

فصل چہارم: سربراہِ مملکت کے اختیارات

فصل اول

مملکت کا معنیٰ و مفہوم، تعارف

فصل اول:

مملکت کا معنٰی و مفہوم، تعارف

مملکت کسے کہتے ہیں مملکت کیا ہے مملکت کا معنٰی و مفہوم کیا ہے۔ اس فصل میں مملکت کے متعلق بحث شامل کی گئی ہے۔

مملکت کا لغوی معنٰی:

مَمْلُکَت عربی لغت میں یہ اسم ہے اردو لغت میں اس معنٰی کے ساتھ اسم مستعمل ہے ۔ لفظ مملکت اسم نکرہ (مؤنث۔واحد)

جمع: مَمْلُکتیں [مَم + لُکَتیں (یائے مجہول)

جمع غیر ندائی: مَمْلُکتوں [مَم + لُکتوں (واؤ مجہول)

ا - سلطنت، ریاست، بادشاہت، حکمرانی، راج، حکومت، وہ علاقہ جو کسی کے زیر نگیں ہو۔

مملکت کے معنی قبضے میں رکھنا انتظام حکومت حکومت (ملک) سیاسی معاملات نظم و نسق ملک۔[1]

مملکت کے مترادفات

اقلیم، بادشاہت، حکمرانی، حکومت، خلافت، دیس راج، ریاست، سلطنت، فرمانروائی، فرمانروانی، ملک، وطن، ولایت، کشور۔

مملکت کے انگریزی معنی (Plural) ممالک mama'likcountryrealmterritory

لفظ مملکت کا مترادف ریاست ہے

لفظِ ریاست کے لغوی معنٰی:

درجے میں بلند ہونا حصہ ملک دیسی راجوں یا نوابوں کی مملکت عالی حوصلگی عالی ہمتی وہ علاقہ جو رئیس کی حکومت میں ہو کوئی آزاد علاقہ جو کسی جمہوری سلطنت کا حصہ ہو۔[۲]

مملکت کا اصطلاحی مفہوم:

ماہرین سیاسیات نے ریاست کی تعریف میں معاشرتی اور سیاسی نقطہ نظر کا لحاظ رکھنا ہے، کیونکہ ریاست ایک سیاسی معاشرتی ادارہ ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنس کے مطابق:

ا۔ لسان العرب، ابنِ منظور، جمال الدین محمد بن مکرم، دار صادر، ۱۹۷۲، بیروت: ۱۲/ ۸۷

۲۔ ایضاً ۱۲/ ۲۴

ریاست مل جل کر کام کرنے والے لوگوں کی جماعت کو کہتے ہیں جو ایک دوسرے کے لیے کام کرتے ہیں۔[1]

مشہور مسلم مفکر ابو النصر فارابی (۸۷۲ء-۹۵۰ء)[۲] کی تحقیق کے مطابق ریاست اصل میں شہریوں کو حقیقی مسرت اور خوش حالی سے نہیں مل سکتی بلکہ روحانی اور اخلاقی معیار کی بلندی بھی لازمی شرط ہے۔ گویا کہ ان کے نزدیک وہی ریاست فاضلہ ہے جو شہریوں کو سہولیات زندگی باہم پہنچانے کے ساتھ ان کی اخلاقی تربیت ان کے معاشرتی رویوں کو بہتر سمت دینے کے لیے تعلیمی ذمہ داریاں بھی پوری کرے۔[۳]

فارابی نے ریاست کی تعریف کرتے ہوئے خصوصیات کے اعتبار سے ریاست کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ الریاسة الفاضلة ۲۔ الریاسة الجاھلیّة:

ریاسة تمکن الافعال والسّنن والملکات الارادیّة التی شانھا ان ینال بھا ماھو فی الحقیقة سعادة، وھی الریاسة الفاضلة۔ والمدن والامم المنقادہ لھذہ الریاسة ھی المدن والامم الفاضلة۔ والریاسة تمکن فی المدن الافعال والشّیم التی تنال بھا ما ھی مظنونةانھا سعادات من غیر ان تکون کذالک وھی ریاسة الجاھلیّة ۔[۴]

ترجمہ: ایسی مملکت جو عادات ،افعال واقدار کو فروغ دیتی ہے جس سے اصل سعادت ملتی ہے ایسی مملکت فاضلہ کہلاتی ہے یہ حکومت کی اعلیٰ قسم ہے وہ اقوام و معاشرے جو اس ریاست کی تابع اور وفادار ہوں وہ بہترین معاشرے اور قومیں ہوتی ہیں۔ اور وہ مملکت جو معاشرے کو عادات وافعال رائج کرنے کا کہتی ہے وہ ظاہراً خیالی اور وہمی مسرت کا ذریعہ بنتی ہے حقیقت میں نہیں یہ "ریاستِ جاہلیہ" ہوتیں ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس کو یوں بیان کرتے ہیں:

" ریاست عوم کا گروہ جو ایک قانون اور سسٹم کے تحت مل جل کر رہتے ہیں چاہے وہ ایک ساتھ ایک شہر یا علاقے میں رہیں یا الگ الگ علاقوں میں رہیں کہلاتی ہے۔"[۵]

---

2. Enecyelopeadia of Social Seiences, New York ,Vol.14,p: 328

۲- اَحوال العلماء واخبار الحکماء، ابن القفطی، ط، مصر ۱۳۲۶ھ، ص:۱۸۲۔ ابن ابی اُصیبعہ، طبقات الاطبّاء، مصر ۱۲۹۹ھ، ص:۲/۱۰۰)

۳- احصاء العلوم،، ابو النصر محمد بن محمد بن ترخان، الفارابی، طبع قاہرہ ۱۹۴۹، ص:۹۵

۴۔ آراء اہل مدینہ الفاضلہ، ابو النصر محمد الفارابی، ط المطبع السعادة مصر ۱۹۰۶ء، ص:۲۶

۵- حجۃ اللہ البالغہ، قطب الدین شاہ ولی اللہ ، بیروت لبنان، ص:۱/۴۴

سیّد مودودی رقم طراز ہیں کہ:

"ریاست وہ ہیّت سیاسی ہے جس کے ذریعے ایک ملک کے باشندے ایک باقاعدہ حکومت کی شکل میں اپنا اجتماعی نظم قائم کرتے ہیں اور اسے قوّت قاہرہ اور قوت نافذہ کا امین قرار دیتے ہیں"(۱)

پروفیسر گارنر (Garner) (1871-1938) کے نزدیک:

"ریاست علم سیاسیات اور قانون کی رائے میں ایسے متعدد افراد کی جمعیت ہے جو مستقل طور پر ایک خاص خطہ زمین پر قابض ہوں، ہوں اوران کی ایک منظم حکومت ہو جس کو باشندوں کی غالب اکثریت کی اطاعت حاصل ہو اور بیرونی دباؤ سے آزاد ہو۔"(۲)

مطلب یہ ہوا کہ ریاست کا اصطلاحی تصور نظم وضبط والی قوم کا ہے۔ خاص علاقے کے رہنے والے لوگوں کا معاشرہ جس کے اختیارات افراد کے ایک گروہ یعنی حکومت کے پاس ہوں۔ ایسی قیادت جو اصولوں، حکمت اور فضیلت پر مبنی ہو۔ ریاست کے چار بنیادی عناصر ہیں۔ ملک، رعایا، سلطنت اور اختیار اعلیٰ۔ کسی بھی ریاست کے لیے ان چاروں کا ہونا ضروری ہے۔

حکومت کی لغوی تعریف:

لغت میں "حکومت" حکم کا مصدر ہے اور اس کا معنیٰ فیصلہ کرنا اور قضاوت کرنا ہے۔ اور حاکم وہ شخص ہے جو حکومت سے متعلق حکم نافذ کر سکے اور اس کا نظم و نسق چلائے۔(۳) قرآن میں حکم اور قضاوت کے معانی میں آیا ہے۔(۴)

اصطلاحی مفہوم:

اصطلاح میں حکومت اس سیاسی قوت کا نام ہے جو سیاسی میدان میں احکام کو نافذ کرتی ہے اور ممنوع کاموں سے روکتی ہے اور اس کے لیے قانون سازی کرتی ہے۔(۵)

۱۔ اسلامی ریاست، علامہ مودودی، اسلامیک پبلیکیشنز، ۲۰۰۰ء، لاہور، ص،۱۷

3. W.garner, Political Science and government, World Press Ltd. Calcutta 1955, p:49

(۳) اقرب الموارد، علامہ سعید الخوری، مکتبہ النصر، ایران، ج، ص ۲/ ۲۱۸

(۴) سورۃ المائدہ: ۵/ ۴۸

(۵) حکومت دینی، احمد واعظی، مکتبہ انصاریان پبلیکیشنز، ایران، ص:۱۸

ریاست کا تعارف

ریاست کا لغوی معنیٰ درجے میں بلند ہونا حصہ ملک دیسی راجوں یا نوابوں کی مملکت عالی حوصلگی عالی ہمتی وہ علاقہ جو رئیس کی حکومت میں ہو کوئی آزاد علاقہ جو کسی جمہوری سلطنت کا حصہ ہو۔[۱]

افسری، اقتدار، امارت، حکومت، راج، سرداری، سیاوت، شرافت، صدارت، عزت، عظمت، علاقہ عملداری قلمرو قیادت، ملک، مملکت، ریاست کے انگریزی معنی dominion nobilityprincely staterule state علم سیاست کی اصطلاح میں ریاست معاشرے کی سیاسی تنظیم کا نام ہے

ریاست کی اقسام:

۱۔ عرب کی ریاست جس کا ساتویں صدی عیسوی میں آخری رسول حضرت محمد ﷺ کی وساطت سے اعلان کر دیا گیا کہ 'لا یجتمع فیھا دینان'" اب قیامت تک نہیں جمع ہو سکتا اس میں کوئی غیر مسلم۔" یہ مقام کافی عرصہ تک فلسطین کا بھی تھا۔ اس میں جو مسلمان ہیں وہ اپنی الگ الگ حیثیتوں میں اس ریاست کے افراد کہلائے جائیں گے، لیکن اگر اس جیسی ریاست کے متعلق کوئی کہنے والا یہ کہے کہ عجیب ریاست جو غیر مسلم کو داخل ہونے سے روکتی ہے، یہ تو تنگ نظری ہے وغیرہ وغیرہ، تو عرض یہ ہے کہ دنیا میں قائم ریاستیں اپنی ریاست میں داخلے کے لیے قوانین بناتی ہیں، جو ان قوانین پر پورا اترتا ہے اسے داخلے کی اجازت ملتی ہے اور جو پورا نہیں اترتا اسے داخل ہونے نہیں دیا جاتا۔ اس طرح اگر اسلامی ریاست کا کوئی قانون ہے تو اس پر بھی کسی کو اعتراض کا حق نہ ہے، کہ ایک اسلامی ریاست ہے اس میں حکمرانی بھی مسلمانوں کا حق ہے۔[۲]

۲۔ بعض ریاستیں ایسی ہیں جنہیں فتح کرنے کے بعد ان ریاستوں کی جغرافیائی تقسیم ان کو فتح کرنے ترتیب دیتے ہیں تو فاتح کا حکم اس ریاست کا قانون اور اور فاتح قوم کا مذہب ریاستی دین کہلاتا ہے، اس طرح کی ریاست کی رعایا محکوم بن کے زندگی گزارتی ہے، ان کا دین، مذہب اگرچہ الگ ہو لیکن دنیا اس ریاست کو وہاں کے حکمران جماعت کے مذہب سے جانتی ہے، دیکھا جاتا ہے کہ کس نے ریاست کو فتح کیا ہے یہ انہوں نے صحیح کیا ہے یا غلط کیا ہے، اس کو نہیں دیکھا جاتا۔

۳۔ اس وقت قومی ریاستیں جو عالمی معاہدوں کے نتیجے میں قائم ہوتی ہیں، جس کے بعد وہاں کے رہنے والے خود کو اپنی قوم کا نام دیتے ہیں، اور اپنے قومی ناموں سے خود کو موسوم کرتے ہیں۔ مثلاً پاکستان کے معرضِ وجود میں

---

(۱) لسان العرب، ۱۲/ ۲۴

(۲) آراء اہل مدینہ الفاضلہ، ص: ۳۵

آنے کے بعد یہاں کے رہنے والے پاکستانی کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں، اور ملک کا ہر باشندہ بغیر کسی تفریق گورے، کالے، مسلمان، غیر مسلم کے اپنے آپ کو پاکستانی کہتے ہیں، یہاں سب کے حقوق برابر ہیں، کوئی آقا، کوئی غلام نہیں ہے بلکہ سب برابر کے شہری ہیں، ایسی ریاستوں میں رہنے والے مملکت کی بھاگ دوڑ میں شامل ہوتے ہیں۔

پاکستان کی ریاست وہ ریاست ہے جس میں مختلف قومیں آباد ہیں جو مختلف النسل اور مختلف رنگت رکھنے والے لوگ ہیں یہاں تک کے ان میں مسلمانوں کے ساتھ کئی دیگر مذاہب کے لوگ بھی آباد ہیں، پاکستان کے رہنے والے غیر مسلم لوگ پاکستان کی سرزمین پر رہنے لوگ ہیں جن کے آباؤ اجداد نے اس دھرتی پر اپنی زندگیاں گزاری تھیں، مطلب یہ کہ یہ لوگ آزادی ئے پاکستان سے پہلے یہاں کے باشندے ہیں، انگریز جب تقسیم کر رہا تھا تو اس وقت یہ طے ہوا تھا کہ مسلمانوں کی جہاں تعداد زیادہ ہے وہ پاکستان اور جہاں ہندو زیادہ ہیں وہ ہندوستان ہوگا، اور جو آزاد ریاستیں ہیں وہ بااختیار ہیں چاہیں تو اپنی آزاد حیثیت باقی رہنے دیں یا ہندوستان، پاکستان میں سے جس میں چاہیں ضم ہوجائیں۔ (۱)

تقسیم کے وقت ہندوؤں اور مسلمانوں کو اپنے اپنے مذاہب پر قائم رہتے ہوئے اپنے ملک کی پہچان دی گئی، اس وقت کسی سے یہ نہیں کہا گیا کہ آپ نے اگر ہندوستان میں رہنا ہے تو آپ کو ہندو مذہب اختیار کرنا ہوگا، نہ ہی ہندوؤں کو کہا گیا تھا کہ آپ پاکستان میں رہنا چاہتے ہیں تو آپ کو مسلمان ہونا پڑے گا، اور نہ ہی دوسری اقلیتوں سے اس طرح کی کوئی بات یا مطالبہ کیا گیا، اس طرح کی بات کرنا سوائے جبر اور کچھ بھی نہیں اور قرآنی تعلیمات اس جبر کی تردید کرتی ہیں فرمانِ خداوندی ہے کہ:

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۖ﴾ ترجمہ: نہیں جبر دین میں۔

اس وقت قائدِ اعظم محمد علی جناح نے ۱۱ اگست ۱۹۴۷ کو اپنے خطاب میں اس بات کو کھلے الفاظ میں بیان کیا تھا آپ نے فرمایا تھا:

> "اس ریاستِ پاکستان میں ہم سب آزاد ہیں، آپ جو بھی عقیدہ رکھتے ہوں، آپ مسجد میں نماز پڑھنے والے ہوں، یا آپ کی عبادت گرجا میں ہوتی ہو، یا آپ کلیسا میں عبادت کرتے ہوں یا آپ کی عبادت کا مرکز مندر ہوں، آپ اپنے مذہب اور عقیدے پر قائم رہتے ہوئے اپنی عبادت کریں اس سے ریاست کو کوئی سروکار نہیں، اب ہم مملکت پاکستان کے برابر کے شہری ہیں، ہمارے سامنے برطانیہ کی مثال موجود ہے کہ وہاں کے لوگوں نے

(۱) تحریک آزادی میں علماء کا کردار، فیصل احمد ندوی بھٹکلی، ماہنامہ دارالعلوم، شمارہ نمبر ۴ جلد نمبر ۹۵،۲۰۱۱، انڈیا

اس حقیقت کا ادراک کیا کہ ہم سب ایک ملک کے باشندے ہیں تو انہوں نے اپنی ذمہ داریاں نبھاتے ہوئے آہستہ آہستہ وہاں سے مذہب کی تفریق ختم کیا اب ان کے ہاں نہ رومن کیتھولک ہین اور نہ ہی پروٹسٹنٹ ہیں، اب اگر ہیں تو وہاں پر انگلستان کے شہری ہیں ،سب کے سب ایک ریاست کی رعایا ہے، برطانیہ کا شہری ہونے میں سب برابر ہیں۔ [1]

اس بیان کے بعد باشندگانِ پاکستان کو ایک قوم بن کے اپنا کردار ادا کرنا چاہئے، اسلام کی ابتدائی ریاست جو مدینہ کی ریاست کہلاتی ہے جہاں یہودی ایک غیر مسلم قوم آباد تھی وہاں پر وہ ریاست کے شہری تسلیم کئے گئے جس کی بنیاد پر ان سے معاہدہ کیا، آج دنیا میں مسلمان کئی ایسے ممالک میں رہتے ہیں جہاں اسلام کی نہیں دیگر مذاہب کی حکومت قائم ہے ان ملکوں میں مسلمان وطن سے محبت اسلامی تعلیمات کے درس کا دم بھرتے ہیں، اس لیے یہ خیال نہیں آنا چاہئے کہ ایسی مملکت کہ جہاں دیگر مذاہب کے لوگ رہتے ہوں اس کی گنجائش اسلام میں ہے کہ نہیں،

ریاست کے لیے حاکمیت:

ریاست کے لیے حاکمیت کیسے قائم کی جائے، آئیڈیل صورت تو ایسی ہے کہ خالقِ کائنات مملکت کا سربراہ متعین کردے اور اس کے معاونین کا تعین بھی کردے، جو کہ ناممکن ہے، دوسرا یہ کہ جس کے چاہنے والے زیادہ ہوں وہ ان کی بنیاد پر حاکم بن جائے اور پھر اپنے مذہب کے مطابق اس ریاست کے لیے حاکمیت کے اصول مرتب کرے اور مذہب کی تعلیمات کو رائج کرتے ہوئے حاکمیت کرے، یہ صورت ایسی ہے کہ اگر اسلام کے چاہنے والے اکثریت میں ہوں تو اکثریت کی وجہ سے وہ مسندِ حکومت پر بیٹھ سکتے ہیں، اس کے بعد مسلمان حاکم جو کہ خود بھی اسلامی تعلیمات سے آگاہ ہو، اجتماعی نظام کو معاشرے پر لاگو کرکے وہاں کی رعایا کو اسلامی تعلیمات پر کاربند کرسکتا ہے۔

اس وقت مسلمان بھی اس نہج پر پہنچ چکے ہیں کہ خود ان کو نہیں معلوم کہ اسلام کا اقتصادی نظام کیا ہے، اسلام اجتماعی زندگی کے لیے کیا نظام دیتا ہے، اسلام میں عدلیہ کا شاندار نظام ہے، اسلام کا معاشی نظام بھی اپنی مثال آپ ہے، اسلام نے حکومت کرنے کے زریں اصول بیان کئے ہیں، یہ نظام معاشرے کی بہتری کے لیے اصول بیان کرتا ہے، اب اگر کسی کو یہ علم نہیں کہ اسلام کا نظام حکومت کیا ہے یا اسلام کی تعلیمات سے ضد اور عناد کے پیشِ نظر چشم پوشی کرے، یا کہے کہ اسلام میں اجتماعی زندگی کے لیے کوئی راہنمائی نہیں ہے تو یہ ان کا قصور یا جہالت ہے اسلام

---

(۱) تقاریر و بیانات، قائد اعظم قدیمی کتب خانہ، کراچی: ۴/ ۳۵۹

کا ان کے کہہ دینے سے کچھ نہیں بگڑتا،ان کے لیے صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ: سخن شناس نہ ای دلبرا خطا ایں جاست[1]

(ا)اقبالیات کے نقوش،ڈاکٹر سلیم اختر،اقبال اکیڈمی،لاہور،پاکستان،ص۵۹

فصل دوم:
اسلامی مملکت کے سربراہ کا تعارف

فصل دوم:

اسلامی مملکت کے سربراہ کا تعارف

کسی بھی جگہ یا ادارے یا مملکت میں سب سے اہم حیثیت سربراہ کی ہوتی ہے مثلاً عدلیہ ایک ادارہ ہے، مجلسِ شوریٰ کا مقام بھی ایک ادارے کا ہے اگر مجلسِ شوریٰ کا سربراہ نہ ہو یا سربراہ نااہل ہو تو وجہ نزاع موجود رہے گی کیوں کہ اگر مجلسِ شوریٰ میں الگ الگ آراء آتی ہیں تو ان مختلف آراء کی روشنی میں فیصلہ کن رائے تو بہر حال سربراہ کی ہوتی ہے اور جب سربراہ ہو ہی نہیں تو فیصلہ کن رائے کون دے گا یا سربراہ نااہل ہو جو فیصلہ کرنے کی قوت نہ رکھتا ہو تو بھی مسائل حل نہیں ہو سکتے، یہی بات عدلیہ کے متعلق کہی جا سکتی ہے عدلیہ میں قاضی بذاتِ خود فیصلہ کر سکتا ہے لیکن قاضی نے بھی مقدمے کے حالات وواقعات کو پیشِ نظر رکھ کر گواہوں کے بیانات کو سامنے رکھ کر فیصلہ دینا ہوتا ہے لہٰذا عدلیہ کا سربراہ اہلیت و قابلیت کی بنیاد پر بنایا جائے۔ یہ مثال دیگر ایک ادارے کے سربراہ کا تعارف کرنا مقصود ہے کہ ادارے کا ذمہ دار اس کا سربراہ ہوتا ہے۔

سربراہ کا لغوی معنیٰ و مفہوم

سربراہ کا معنیٰ اردو اور عربی لغت میں درج ذیل ہے۔

اصلی الفاظ **رَأَّسَهُ عَلَیهم** عام معنیٰ (فعل) کسی کو لوگوں کا سربراہ بنانا، سردار بنانا، لیڈر بنانا، افسر بنانا

بَابَا؛، جمع: بابوات عام معنیٰ (اسم)-عیسائی گرجا کا سربراہ اعلی، پوپ۔

ارْتَأَسَ عَلَیهم عام معنیٰ (فعل)- سردار بننا، سربراہ ہونا، صدر ہونا، لیڈر ہونا

زَعِیمٌ عام معنیٰ (اسم) - صدر، سربراہ، لیڈر، قائد، سردار، راہنما، پیشوا (۲) ضامن وکفیل ج: زعماء

سَمَیْدَعُ عام معنیٰ (اسم)-فیاض و سخی بڑا ادمی (۲) سردار، سربراہ (۳) بہادر (۴) کاموں میں پھرتیلاج: سمادع وسمادعة۔[۱]

اسی طرح انگریزی زبان میں سربراہ کے معانی درج ذیل ہیں۔

انگریزی زبان میں Leader,Guide,Commander Head، [۲]

سربراہ مملکت کے لیے امام اور خلیفہ کے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔

---

(۱) القاموس الوحید ،وحید الزمان، ، ادارہ اسلامیات، لاہور ۲۰۰۱، ص: ۸۹۳

(۲) اوکسفورڈ اردو انگلش ڈکشنری، شان الحق حقی، اوکسفورڈ پرنٹنگ پریس، راولپنڈی، ۲۰۱۸ء، ص ۴۵۰

" الإمامة" (امامت) مصدر ہے "أَمَّ" فعل کا جس کا معنیٰ ہے آگے بڑھنے کا اور امام اس کو کہتے ہیں جس کی پیروی ہو بے شک وہ لوگوں کا سردار ہو یا اور کوئی ہو۔ (۱)

ابنِ منظور افریقی لکھتے ہیں:

"الإمام کل من ائتم به قوم، کانوا علیٰ الصراط المستقیم أو کانو ضالین، والجمع: أئمة، . . . والخلیفة إما م الرعیة"۔(۲)

ترجمہ: امام اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی اقتدا کی جائے۔ چاہے قوم کے لوگ ہدایت یافتہ ہوں یا نہ ہوں اور جمع اس کی آئمہ ہے اور خلیفہ رعیت کا امام ہوتا ہے۔

صاحب علامہ زبیدی نے بھی یہ بات لکھی ہے۔ (۳)

فیروز اللغات میں ہے: "امام پیشوا اور ہادی کو کہتے ہیں۔(۴)

سربراہ کا اصطلاحی مفہوم:

اسلامی مملکت میں سربراہ کے مترادف الفاظ امام یا خلیفہ کے ہیں۔ اس لیے اصطلاحی معنیٰ بھی انہی کا بیان کیا ہے۔ اصطلاح میں "امامت "کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں ،چناں چہ سعد الدین التفتازانی امامت کی تعریف بیان کرتے ہیں ۔

"نیابتهم عن الرسول فی إقامة الدین بحیث یجب علیٰ کافة الإمم الاتباع"(۵)

ترجمہ: نائب بننا پیغمبر کا قیام دین میں جس کی بناء پر ساری ملت کے ذمہ تابعداری لازمی ہے۔

نیز علامہ سعد الدین التفتازانی خلافت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"وهي رياة عامة في أمر الدین والدنیا خلافة عن النبیا"(۶)

ترجمہ :اور وہ دین و دنیا کے معاملہ میں ریاست و رسول سے خلافت ہے۔

ماوردی رحمۃ اللہ علیہ امامت مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

(۱)القاموس المحیط، مجد الدین محمد بن یعقوب ،الفیروز آبادی، ۱۹۸۵، دار الجیل، بیروت: ۴/ ۷۸

(۲)لسان العرب، ۱۲/ ۲۴

(۳)تاج العروس من جواهر القاموس ،الزبیدی، محمد مرتضیٰ، مکتبۃ الحیاۃ، ۲۰۰۳، بیروت: ۸/ ۱۹۳

(۴)فیروز اللغات ،اردو (جامع) ص: ۱۲۶ ،فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ

(۵)شرح عقائد، ،سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ ،التفتازانی ،میر محمد کتب خانہ ،۱۹۸۹ کراچی ،ص :۱۰۸

(۶)ایضاً، ص :۴۳۹

"الإمامة موضوعة لخلافة النبوة في حراسة الدين وسياسة الدنيا به"(۱)

ترجمہ: دین کی حفاظت و دنیاوی امور کی سر انجامی میں نبوت کی نیابت کے طور پر امامت کو بنایا گیا۔

امام الحرمین علامہ جوینی رحمۃ اللہ علیہ نے امامت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے :

"الإمامة رياسة تامة، وزعامة تتعلق بالخاصة والعامة في مهمات الدين والدنيا"(۲)

ترجمہ: امامت مکمل ریاست اور قیادت کا نام ہے جو کہ دین و دنیا کے تمام مہمات سے متعلق ہے چاہے وہ خاص ہوں یا عام ہوں۔

ابنِ خلدون فرماتے ہیں کہ:

"هي حمل الكافة علىٰ مقتضىٰ النظر الشرعي في مصالحهم الأخروية والدنيوية الراجعة اليها، اذ أحوال الدنيا ترجع كلها---------فيحراسة الدين وسياسة الدنيا به"(۳)

ترجمہ: وہ اٹھانا ہے شرعی نظریہ کے تقاضے کے تحت سب کو ان کی آخرت اور دنیا کی بہتری کے لیے جس آخرت کی طرف ان کو واپس جانا ہے اس لیے کہ دنیوی سارے احوال صاحبِ شریعت کی طرف رجوع کرتے ہیں، لہٰذا امامت و خلافت در اصل شریعت بنانے والے کی نیابت ہے حفاظتِ دین میں اور دنیا کی سیاست میں۔

امامت، خلافت معنوی طور پر مترادف الفاظ ہیں بظاہر الفاظ الگ الگ ہیں مطلب یہ کہ بحیثیتِ نائب کے احکام کو قائم کرنا، دین کی حفاظت اور صاحبِ شریعت کے لائے ہوئے دین کے مطابق عامۃ الناس کو راہنمائی دینا یہ امام اور خلیفہ کی ذمہ داری ہے۔

اصطلاح شرع میں " امام" کا لفظ مؤمنین کے امیر کے لیے بولا جاتا ہے جب کہ عام طور پر امام مسلمانوں کے نماز کے امام کو بھی کہتے ہیں جو نماز پڑھاتا ہے اس لیے حاکم کی امامت کو امامت کبریٰ اور نماز پڑھانے والے کی

---

(۱)الأحکام السلطانیۃ، علی بن محمد الماوردی ،ناشر مصطفی البابی ،۱۹۹۳، قاھرۃ، مصر، ص:۵

(۲)غیاث الأمم فی التیاث الظلم، أبو المعالی عبد الملک الجوینی، دار الدعوۃ ،۱۹۹۰ ،الاسکندریۃ، ص ۱۵

(۳)مقدمہ ابنِ خلدون، عبد الرحمٰن بن محمد المعروف علامہ ابنِ خلدون، دار الباز، ۲۰۰۱، مکہ ،سعودی عرب، ص:۱۹۰

امامت کو امامت صغریٰ کہہ کر تفریق کی جاتی ہے۔علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب صرف "الامامۃ" کہا جائے تومراد لیاجائے گاامامت کبریٰ یعنی حاکم، حکمران مراد ہو گا۔

اہل سنت والجماعت فقہ کے مسائل اور عقیدہ میں امام فقہی کو کہتے ہیں جب کہ تاریخ کی کتابوں میں حکمرانوں کے لیے خلیفہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں لیکن اہل تشیع کے ہاں امام یا امامت کو ارکان ایمان میں شامل کرتے ہیں اور امام کو گناہوں سے پاک اور اللہ کی طرف سے مقرر کیاہوا قرار دیتے ہیں یہ بلکل غلط ہے جس کی تردید اہل سنت کی کتب میں موجود ہے۔

مقالہ ہٰذا سربراہانِ مملکت کے عنوان سے ہے اس لیے یہاں سربراہانِ مملکت کو ہی زیر بحث لایا گیاہے۔

قرآن و حدیث میں "امام"کا تذکرہ:

کتاب اللہ کی کئی آیات میں اور کئی احادیث میں "امام" آیاہے بطورِ نمونہ کے چند آیاتِ بینات اور اس کے بعد چند احادیث کا تذکرہ کیاجائے گاان آیات میں اگرچہ امام کے الگ الگ معانی ہیں یہاں پر آیات کے تراجم سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف ان آیات کے متن کو بیان کیاہے جن میں امام کے الفاظ آئے ہیں۔

ذیل میں وہ آیات قرآنیہ درج ہیں جن میں اس کا ذکر ہے۔

﴿قَالَ إِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَاماً﴾(۱)

﴿وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِماماً﴾(۲)

﴿وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا﴾(۳)

﴿وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِيْنَ﴾(۴)

﴿فَقَاتِلُواْ أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لاَ أَيْمَانَ لَهُمْ﴾.(۵)

﴿ وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ﴾(۶)

اسی طرح چند ایک احادیث مبارکہ کا ذکر کیاجارہاہے جن میں امام یا آئمہ کا ذکر آیاہے:

---

(۱)سورۃ البقرۃ ۲/ ۱۲۴

(۲)سورۃ الفرقان ۲۵/ ۷۴

(۳)سورۃ الانبیاء:۲۱/ ۷۳

(۴)سورۃ القصص:۲۸/ ۵

(۵)سورۃ التوبۃ:۹/ ۱۲

(۶)سورۃ القصص:۲۸/ ۴۱

1- الإمام الأعظم الذي علىٰ الناس راع -[1]

الائمة من قريش". [2]

3-سبعة يظلهم الله في ظله يوم لا ظل الا ظله: الإمام العادل.......". [3]

ان روایات کے علاوہ دیگر کئی احادیث میں الگ معنوں میں "امام" آیا ہے۔

لفظ "سربراہ، امام ، خلیفہ اور امیر المؤمنین "

لغت میں بے شک ان الفاظ کے مختلف معانی ہیں، جو اپنا اپنا معنیٰ رکھتے ہیں، لیکن الفاظ مترادف ہیں اپنے اطلاق کی وجہ سے ، احادیث میں جہاں کہیں امامت یا خلافت کا لفظ استعمال ہوا ہے اس میں تضاد نہیں پایا جاتا نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین نے بھی ان کو متضاد نہیں کہا، جس کی بنا پر یہ الفاظ ایک دوسرے کے مترادف کہلاتے ہیں جن کا ایک دوسرے پر اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :"یجوز أن یقال للامام: الخلیفة، والامام، وأمیر المؤمنین"[4]

ترجمہ: جائز ہے یہ کہ کہا جائے امام کو "خلیفہ " اور امام اور امیر المؤمنین ۔

ابن خلدون فرماتے ہیں:

در اصل خلافت و امامت شارع کی نیابت کرنے کا نام ہے اقامتِ دین، حفاظتِ دین اور دنیا کی سیاست میں اسی کا نام خلافت اور امامت ہے، خلافت کرنے والے کو خلیفہ اور امامت کرنے والے کو امام کا نام دیا گیا ہے۔[5]

ابنِ منظور نے خلافت کو امارت سے تعبیر کیا ہے۔[6]

استاد محمد نجیب مطیعی "المجموع" کے تکملہ میں لکھتے ہیں :

---

(۱) صحیح بخاری، محمد بن اسماعیل، کنیت ابو عبد اللہ، کتاب الاحکام حدیث نمبر:۷۱۳۸)، دارالسلام، ریاض، سعودی عرب، ص: ۱۲۲۹

(۲)مسند الامام احمد بن احمد، ،مسند انس بن مالک، رقم الحدیث :۱۲۴۸۹، دار احیاء التراث العربی ، سعودی عرب ج/ص:۴/۲۹

(۳) صحیح مسلم، امام مسلم بن حجاج بن داود، کتاب الزکوة، باب فضل الغناء الصدقة، ، دار السلام ، الریاض، سعودی عرب، ص:۴۱۵

(۴) روضة الطالبین، یحییٰ بن شرف الدین النووی، : المکتب الاسلامی، سعودی عرب، ص: ۱۰/ ۴۹

(۵)مقدمہ ابنِ خلدون، ص:۱۹۰

(۶)لسان العرب، ۱۲/ ۲۹

"الامامة والخلافة وامير المؤمنين مترادفة." [1]

یعنی امامت ، خلافت اور امیر المؤمنین مترادف (الفاظ) ہیں۔

شیخ ابو زہرہ ان الفاظ کے مترادف ہونے کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ سیاسی ،مذہبی امور میں محور ہوتا ہے اور تمام امور کا نگہبان بھی ہوتا ہے جو رعایا، ملک وقوم کا نگران بھی ہوتا ہے، سارے امور میں یہ صاحبِ شریعت کی نیابت کرتا ہے۔حاکم وقت ہونے کے ناطے جس کی خلافت کو امامت کبریٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے، مسلمانوں پر خلیفہ کی اطاعت واجب ہے اور اطاعت اس طرح ہے جیسے نماز میں لوگ اپنے امام کی اطاعت کرتے ہوئے رکوع وسجود بجالانے میں امام کی اطاعت کرتے ہیں اسی طرح خلیفہ کی اطاعت بھی لازم ہے تو اس بنا پر خلیفہ کو بھی امام کہا جاتا ہے۔ [2]

خلیفہ کے لیے امیر المؤمنین کا خطاب:

پیغمبرِ خدا ﷺ کے اس دنیا سے رحلت فرماجانے کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ اور امام دونوں الفاظ سے پکارا گیا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مسندِ خلافت عطاء ہوا، مسلمان انہیں خلیفہ یعنی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خلیفہ کہنے لگے اور اس طرح کہتے پیغمبرِ خدا ﷺ کے خلیفہ کے خلیفہ جو کہ وقت بدلنے کے ساتھ ساتھ اور طویل ہوتا چلا جائے گا، مثلاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس طرح کہا جاتا پیغمبرِ خدا ﷺ کے خلیفہ کے خلیفہ کا خلیفہ جس کے لیے مسلمانوں نے غور وخوض شروع کیا کہ کوئی ایسا نام ہو جو مختصر ہو اور سب پر بولا جاسکے اس پر کئی صحابہ کی رائے تھی کہ ہم ایمان والے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایمان والوں کے امیر ہیں لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو امیر المؤمنین کہنا چاہئے جس کے بعد سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو امیر المؤمنین کہا جانے لگا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہی سب سے پہلے امیر المؤمنین کہا گیا۔ [3]

نیز طبرانی میں ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے پاس دو صحابی حضرت لبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابی حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اجازت طلب کی اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے یوں مخاطب ہوئے کہ ہمیں امیر المؤمنین سے ملنا ہے جس پر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے کہا اللہ کی قسم تمہارا یہ کہنا بالکل درست ہے کیوں کہ ہم ایمان والے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہم ایمان والوں کے امیر ہیں جس کے بعد حضرت عمرو بن عاص حضرت عمر رضی اللہ عنہ پاس گئے اور اسی نام سے پکارا کہ اے امیر المؤمنین آپ پر اللہ کی

---

(۱) تکملہ المجموع شرح المھذب ، محمد نجیب المطیعی ، مکتبہ زکریا علی یوسف ص :۵۱۷

(۲) تاریخ المذاھب الاسلامیہ، اَبی زھرۃ ، دار الفکر العربی، ۱۹۷۵،بیروت، ۱/ ۲۱

(۳)۔الطبقات الکبریٰ، ابن سعد : دار الفکر العربی، ۱۹۷۵،بیروت ، ۳/ ۲۸۱

سلامتی ہو جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب کا اظہار کیا کہ یہ کیا کہہ رہے ہو تو اس پر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم ایمان والے ہیں یعنی مؤمن کہلاتے ہیں اور آپ ہمارے امیر ہیں۔ جہاں سے انہیں اس نام سے موسوم کیا گیا اور بعد میں آنے والے خلفاء کے لیے یہی نام رکھا گیا اور اسی نام امیر المؤمنین سے پکارا گیا۔ [1]

لفظِ" امیر "حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں بولا جاتا تھا، جب کہ خلیفہ نہ ہوتے تھے، اس وقت لشکر کے امیر اور شہروں کے مامور اور علاقوں کے ذمہ داروں کو امیر کہتے تھے، جس کا ذکر ان احادیث میں ملتا ہے جن کے اندر امیر کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ [2]

خلیفہ کے تقرر کی شرعی حیثیت:

خلیفہ مقرر کرنا امت پر لازم ہے جس کے تحت اسلامی حکومت کو قائم کرنا اور اپنا امیر متعین کرنا لازم ہے اور اس بات پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ [3]

خلیفہ کو مقرر کرنا واجب ہے اس سے اختلاف نہیں کیا گیا صرف خارجیوں میں سے نجدات نے اور معتزلہ میں سے ایک دو لوگوں نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ [4]

جب کہ اہل سنت والجماعت کے ہاں ریاست اور اس کی امارت یا خلیفہ کا قائم کرنا شرعی طور پر لازم ہے اہل اسلام اپنا ایسا سربراہ متعین کریں جو اسلام کے شعائر کا محافظ ہو، حدود اللہ کا نفاذ کرے، لوگوں کو ان کے حقوق دے وغیرہ۔ وجوب تقرر خلیفہ قرآن مجید، احادیث اور اجماع سے ثابت ہے۔

اللہ نے قرآن میں ایک مقام پر اسے دین کو قائم کرنے سے تعبیر کیا ہے،

﴿أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾ [5]

ترجمہ: قائم کرو تم دین اور تفریق نہ ڈالو۔

دوسری جگہ اللہ کا فرمان ہے کہ:

---

(۱)۔ مجمع الزوائد، الھیثمی، دار الفکر العربی، ۱۹۸۳، بیروت، ۹/ ۶۱

(۲) صحیح بخاری نے کتاب الاحکام، باب قول اللہ تعالیٰ ﴿اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول﴾۔ صحیح مسلم میں کتاب الامارۃ باب وجوب طاعة المراد في غير معصية، سنن النسائی میں البیعۃ، باب الترغيب في طاعة الإمام، وغیرھم

(۳)۔ الاحکام السلطانیہ، ص: ۵

(۴) شرح المقاصد، ۳/ ۴۷۴

(۵) سورۃ الشوریٰ: ۴۲/ ۱۳

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾[1]

ترجمہ:: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی تابعداری اختیار کرو اور پیغمبر کی تابعداری اختیار کرو اور جو تم میں حکمران ہیں ان کی بھی۔

مذکورہ بالا آیت میں امراء کی تابعداری کا امر کیا گیا ہے جس سے امراء کی تابعداری کرنا واجب ہوتی ہے کیوں کہ امر کا قاعدہ ہے کہ الامر للوجوب یعنی امر کا تقاضا ہے کہ وہ واجب ہو، لہٰذا جس کی اطاعت واجب ہو گی تو یقیناً اس کا وجود بھی واجب ہو گا کیوں کہ اللہ رب العزت نے اطاعت کا حکم بغیر کسی وجود کے دے دیا یہ نہیں ہو سکتا لہٰذا جس طرح امراء کی اطاعت واجب ہے اسی طرح امراء کا تقرر بھی لازمی ہے۔ اس آیت کی روشنی میں اہل اسلام پر امیر کا تقرر وجوب کا درجہ رکھتا ہے۔

نیز قرآن مجید کی وہ تمام آیات، جو حدود و قصاص سے تعلق رکھتی ہیں، یا ایسے حکم جس کے قیام کی خاطر امام کا تقرر کیا جاتا ہے اس سے بھی خلیفہ کا مقرر کرنا ثابت ہوتا ہے، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ حدود اللہ کا نفاذ قصاص کا نظام یہ خلیفہ اور حاکم کے فرائض میں شامل ہے اور یہ اسی وقت قائم ہوں گے جب خلیفہ موجود ہو گا لہٰذا خلیفہ کا مقرر کرنا واجب اور ضروری ہے۔ خلیفہ کا تقرر واجب ہونے پر دیگر آیات قرآنیہ بھی دلالت کرتی ہیں لیکن اختصار کے پیش نظر ان کو بیان نہیں کیا گیا۔

بے شمار احادیث مبارکہ سے خلیفہ کے تقرر کا حکم ملتا ہے، بطورِ مثال چند ایک یہ ہیں:

پیغمبرِ خدا فرماتے ہیں کہ آدمی اس حالت میں مرا کہ امامت کا طوق نہیں تھا اس کے گلے میں تو اس کا مرنا جاہلیت پر ہے، یعنی کفر پر مرنا ہے۔[2]

مذکورہ بالا حدیث خلیفہ کے تقرر کے واجب ہونے پر دال ہے اور اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ خلیفہ کے تقرر کے بعد اس کی اطاعت اور بیعت لازمی ہے۔

ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ زمین میں کہیں بھی تین آدمیوں کا اکٹھا ہونا جواز نہیں رکھتا سوائے اس کے اپنا ایک امیر مقرر کر لیں۔[3]

---

(۱) سورۃ النساء: ۴/ ۵۹

(۲) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب جماعۃ المسلمین عند ظھور الفتن، رقم الحدیث ۱۸۵۱، ص، ۸۳۱،

(۳) سنن ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، کتاب الجھاد، باب فی القوم یسافرون یؤمرون أحدھم، دار احیاء التراث العربی، بیروت، رقم الحدیث: ۲۶۰۸، ج، ص ۳/ ۵۱

ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب تین آدمیوں کے لیے ایک امیر ضروری قرار دیا گیا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ زیادہ لوگوں پر تو بطریقہ اولیٰ واجب ہے کہ ان کا ایک امیر ہو جس کی اطاعت کی جائے۔[1]

اہل اسلام کی اجتماعی طاقت کی حفاظت کے لیے اور ان کو اختلاف سے بچانے کے لیے در گذر سے کام لینے کی تلقین کرتا ہے، امام سے کوئی بات سرزد ہو جائے جو مسلمانوں کے مزاج کے خلاف پائی جائے ایسے میں مسلمان جذبات قابو میں رکھیں تاکہ مسلمانوں کی قوت مجتمع رہے اور اختلافات کا شکار نہ ہو، اختلاف کی صورت بننے پر مسلمانوں کو تلقین ہے کہ مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے طریقے پر چلیں۔[2]

امیر کی اطاعت

اطاعتِ امیر واجب ہے، اسلامی نظام حکومت کی بنیادی اساس اطاعتِ امیر ہے، جب امیر ہو اور اس کی اطاعت نہ ہو تو پھر امیر امور سرانجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی اس قسم کی امارت کوئی قبول کرنے کو تیار ہو گا جس میں اس کی امارت تو ہو لیکن اس کی اطاعت نہ کی جاتی ہو اس لیے امیر کی اطاعت واجب ہے جس کی وجہ سے امیر تمام امور پوری ذمہ داری سے سرانجام دے سکتا ہے اور صلاحیتوں کی بناء پر امور کی انجام دہی کر سکتا ہے، اسی ضمن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ:

"لا إسلام بلا جماعة، ولا جماعة بلا أمير، ولا أمير بلا طاعة"[3]

ترجمہ: اسلام جماعت کا نام ہے، اور جماعت نام ہے امیر کا، اور امارت بغیر اطاعت کے نہیں ہے۔

ایک مسلمان کے لیے امیر کی اطاعت کرنا دین کا حصہ ہے اسلام کی تعلیمات جہاں مسلمانوں کو امیر کی اطاعت کا حکم دیتی ہیں وہیں اسلام میں مسلمانوں کو امیر کی نافرمانی سے بچنے کی تلقین کرتی ہیں جو ایک مسلمانوں کا امتیاز ہے۔ اور اہل اسلام اس کو اللہ کا حکم سمجھتے ہیں جس کا اللہ نے امر کیا ہے اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سمجھتے ہوئے اطاعتِ امیر پر کاربند رہتے ہیں، اور اس اطاعت پر وہ اپنے آپ کو حکم بجالانے پر اللہ کے ہاں اجر کا مستحق گردانتے ہیں بے شک رب کی اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری باعثِ اجر ہے، چنانچہ علامہ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

(۱) الحسبہ، ابنِ تیمیۃ، دار الشعب، بیروت ص: ۱۱،

(۲) مشکوۃ المصابیح، محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ فصل دوم، دار الکتب العلمیہ، ۱/ ۵۳

(۳) جامع بیان العلم وفضلہ، ابن عبد البر الاندلسی المالکی، ناشر دار ابن جوزی، دمام سعودی عرب، ۱۹۹۴، ص، ۶۲

”فطاعة الله ورسوله واجبة علىٰ كل أحد، وطاعة ولاة الأمور واجبة لأمر الله بطاعتهم، فمن أطاع الله ورسوله بطاعة ولاة الأمرلله، فأجره علىٰ الله، ومن كان ......الخ“[1]

ترجمہ: پس اللہ اوراس کے پیغمبر کی تابعداری سب کے لیے واجب ہے اور ولایت امور کی اطاعت اللہ کے حکم کی وجہ سے واجب ہے کہ اللہ نے ان کی اطاعت کا حکم دیا ہے، پس جس کسی نے اللہ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کی، ولی امر کی اطاعت اللہ کے لیے کی پس اللہ پر ہے اس کو اجر دینا، اور جس کسی نے ان کی اطاعت مالی فوائد کے لیے کی جب ملا اطاعت کی اور جب نہ ملا تو اطاعت چھوڑ دی تو آخرت میں اس شخص کا کچھ نہیں ہے۔

اللہ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۖ﴾[2]

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی تابعداری اختیار کرو اور پیغمبر کی تابعداری اختیار کرو اور جو تم میں حکمران ہیں ان کی بھی۔

اس آیت سے ماقبل کی آیت میں امانتیں ان کے حقداروں کو دینے کی تلقین کے ساتھ لوگوں کے تنازعات میں فیصلہ کرنے کا وقت آئے تو اس وقت انصاف سے کام لیں اور عدل کے ساتھ ان کے درمیان فیصلہ کریں، اور مذکورہ بالا آیت میں لوگوں کو ان کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے، علامہ شوکانی کے نزدیک ”أولی الأمر“ سے ائمہ، سلاطین، قضاۃ پر فائز لوگ ہیں جنہیں کسی قسم کی ولایت حاصل ہو توان کی اطاعت واجب ہے تاوقتیکہ وہ معصیت، خدا و پیغمبر ﷺ سے روگردانی کا حکم نہ دیں۔[3]

مختلف تفاسیر کے حوالے سے پہلے ذکر کیا گیا کہ راجح یہ ہے کہ ”أولی الأمر“ سے علماء اور حکام دونوں کی اطاعت مراد ہے، چنانچہ فقہی تحقیقات میں فقہاء کی اطاعت اور انتظامی امور میں حکام وأمراء کی اطاعت واجب ہوگی۔[4]

---

(۱) مجموعہ الفتاویٰ، علامہ ابنِ تیمیہ، مکتبہ العبیکان، الریاض، سعودی عرب ج، ص:۱۸/ ۱۳

(۲) سورۃ النساء: ۴/ ۵۹

(۳) فتح القدیر، امام شوکانی، مکتبہ قدیمی، لاہور، ۱/ ۴۸۱

(۴) معارف القرآن، مفتی محمد شفیع، ادارۃ المعارف، کراچی، ۲/ ۲۵۲

فصل سوم:

جمہوریت کا تعارف، اور اس کی اقسام

فصل سوم:

جمہوریت کا تعارف، اور اس کی اقسام

جمہوریت کا تعارف

جمہوریت، عربی کے لفظ جمہور سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی ریت کا ڈھیر کے ہیں۔ اصطلاحاً جمہور سے مراد افراد کا ایک وسیع گروہ ہے جس میں عوام و خواص سب شامل ہوتے ہیں۔ اردو میں یہ اصطلاح انگریزی کی اصطلاح Democracy (ڈیموکریسی) کے توسط سے آئی ہے جو بذاتِ خود یونانی زبان کے لفظ ڈیموکراٹیا سے نکلا ہے۔ ڈیموکراٹیا کی اصطلاح دو لفظوں کے ملنے سے وجود میں آئی ہے۔ ڈیموس (Demos) یعنی عوام اور کراٹیا (Kratia) یعنی حکومت۔ گویا ڈیما کریسی کے معنی ہوئے عوام کی حکومت ۔ [۱]

عوام کی حکومت۔

جمہوریت یا ڈیموکریسی کی چند ایک تعریفات قابلِ ذکر ہیں۔

۱۔ جمہوریت وہ طرزِ حکومت ہے جو طاقت واختیارات کا سرچشمہ عوام کو قرار دیتی ہے، عوام ان کا استعمال براہِ راست یا منتخب نمائندگان کے ذریعے کرتے ہیں۔ معاشرے کی ایک شکل جس میں رنگ نسل زبان اور مذہب سے قطع نظر، سب کے لیے مساوی حقوق فراہم کئے جاتے ہیں اور اقلیتوں کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔

۲۔ ایک ایسی ریاست یا کمیونٹی جس میں حکومت کی عنان عوام یا عوامی نمائندوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

۳۔ عوام کی وہ جماعت جسے وراثت میں کوئی امتیاز یا مراعات حاصل نہیں ہوتیں یعنی عام لوگ۔ [۲]

دوسری طرف امریکن ہیری ٹیج ڈکشنری کی پیش کردہ تعریفات کچھ یوں ہیں:

۱۔ عوام کی حکومت جس میں حکومت کا اختیار براہِ راست عوام کے یا ان کے منتخب کردہ نمائندوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

---

(۱)William Little H.W Fowler J. Coulson, the shorter Oxford English Dictionary Calrendon press London , p.205،The1965

(۲) The Oxford English Dictionary,James Murray, Oxford university press ,1 february 1884, United Kingdom , p .375

۲۔ ایک کمیونٹی میں کسی فرد کے لیے سماجی مساوات اور احترام کے اصول۔(۱)

اور مریم وبسٹرڈکشنری کے مطابق جمہوریت کے معنی ہیں:

۱۔ حکومت بذریعہ عوام خصوصاً حکمرانی بذریعہ اکثریت۔

۲۔ ایک ایسی حکومت جس میں اقتدارِ اعلیٰ عوام کے ہاتھ میں ہو اور جسے وہ بلاواسطہ یا نمائندگی کے ایک نظام کے ذریعے بالواسطہ بروئے کار لائیں۔

۳۔ ایک سیاسی وحدت جس میں جمہوری حکومت قائم ہو۔

۴۔ عوام خصوصاً سیاسی اختیار کے سرچشمے کی حیثیت سے۔

۵۔ وراثتی یا آمرانہ طبقاتی امتیازات یا مراعات کا عدم وجود۔(۲)

الغرض جمہوری حکومت سے مراد ایک ایسی حکومت ہے جو شخصی حکومت کی ضد ہو۔ جس میں کوئی ایک شخص مطلق العنان نہ ہو بلکہ رعایا کے تمام طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد شریک حکومت ہوں۔ یہ حکومت کلی طور پر خود مختار نہیں ہوتی۔ اسے دیہاتی پنچایت یا جرگے کی ایک وسیع اور ترقی یافتہ شکل بھی کہہ سکتے ہیں۔

اصطلاحاً جمہوری حکومت ایک ایسی حکومت کو کہتے ہیں جس میں حکومتی امور اکثریتی رائے کو مد نظر رکھتے ہوئے چلائے جائیں اور جس میں عوام کے منتخب کئے ہوئے نمائندے ایک مقررہ مدت تک اپنے فرائض انجام دینے کے بعد ایک مرتبہ پھر عوام کے سامنے اپنی خدمات کے گوشوارے لے کر پہنچیں اور ان کے استناد اور مضبوطی کی بنیاد پر ایک مرتبہ پھر انتخاب کی جنگ جیتنے کی کوشش کریں۔

جمہوریت کی جدید تعریف

ایک سیاسی نظام جس میں ایک ملک کے عوام اپنی پسند کے کسی بھی طرزِ حکومت کے تحت نظامِ حکومت چلاتے ہوں۔ جدید جمہوری حکومتوں میں، زیادہ تر اقتدارِ اعلیٰ ایک گروہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ان نمائندوں کو عوام ووٹ کے ذریعے مقررہ مدت پوری کرنے سے پہلے بدل بھی سکتے ہیں اور کم از کم اصولی طور پر یہ نمائندے اپنے منتخب کنندگان کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں۔ کئی جمہوری حکومتوں میں، سربراہِ مملکت اور مقننہ دونوں عوام کے ووٹوں سے

(۱)The American heritage English Dictionary, Houghton Mifflin Harcourt, 2011, U,s,a , p .375

(۲) Webster's New World College Dictionary

منتخب ہو کر بر سر اقتدار آتے ہیں۔ برطانیہ اور ناروے جیسی آئینی بادشاہتوں میں صرف مقننہ عوام کی منتخب کردہ ہوتی ہے اور کابینہ اور وزیر اعظم کا انتخاب انہی میں سے کیا جاتا ہے۔۔[۱]

جمہوریت کی اقسام

موجودہ دور میں جمہوری ملکوں میں سربراہانِ مملکت کے لیے معروف الفاظ "صدر" اور "وزیرِاعظم" کے ہیں اس کی تقسیم مملکت میں رائج نظام کی وجہ سے ہے اس تقسیم کو سمجھنے کے لیے پہلے جمہوریت کی اقسام کا ذکر ضروری ہے تاکہ بات سمجھنے میں آسانی ہو۔ بنیادی طور پر جمہوریت کی تین اقسام ہوتی ہیں۔

بلاواسطہ جمہوریت

یعنی ایک ایسی جمہوریت جس میں ہر شہری کو سیاسی عمل میں براہِ راست حصہ لینے کا اختیار ہے۔ یہ جمہوریت اکثریتی رائے کے اصول کے تحت کام کرتی ہے۔[۲]

نمائندگانی جمہوریت:

یعنی ایک ایسی جمہوریت جس میں ریاست کے شہری ذاتی طور پر حق فرمانروائی استعمال کرنے کے بجائے اپنے منتخب کردہ نمائندوں کو آگے بھیجتے ہیں اور انہیں اپنی جگہ سیاسی فیصلے کرنے کا حق سونپتے ہیں۔ یہ نمائندے انہیں جواب دہ ہوتے ہیں۔[۳]

آئینی جمہوریت:

یہ نمائندگانی جمہوریت کی ہی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ اس طرزِ حکومت میں عوام کے منتخب کئے ہوئے نمائندوں کے تمام فیصلے ایک مخصوص آئین کی حدود و قیود کے پابند ہوتے ہیں اور اکثریت کی کوئی بھی رائے جو اس آئین کے مقرر کردہ معیارات سے بالاتر ہونے کی کوشش کرے، قابل قبول نہیں سمجھی جاتی۔ یہ آئین ریاست کے تمام شہریوں کی ضروریات اور مفادات کی خاطر تشکیل دیتے ہیں، اسی بناء پر ریاست کے شہری مخصوص انفرادی و اجتماعی حقوق از قسم آزادیئے تقریر و آزادیئے مذہب سے مستفید ہوتے ہیں۔ اس جمہوریت کو روشن خیال جمہوریت (Liberal Democracy) بھی کہتے ہیں۔[۴]

---

(۱) جمہوریت کیا ہے، وجاہت مسعود، ناشر، بلیوویز، اسلامیہ کلب بلڈنگ خیبر بازار، پشاور، ص:۲۶۹

(۲) ایضاً

(۳) ایضاً

(۴) جمہوریت کیا ہے، ص ۷۰

جمہوریت مزید دو قسموں پر منقسم ہے۔

جدید دنیا میں ان دو قسموں کو مندرجہ ذیل نام دیئے گئے ہیں

۱۔پارلیمانی نظام

۲۔صدارتی نظام

پہلی قسم پارلیمانی نظام

پارلیمانی نظام پر روشنی ڈالنے کے لیے پاکستان کے جمہوری نظام کو پیشِ نظر رکھا گیا کیوں کہ پاکستان میں جمہوری پارلیمانی نظام رائج ہے،پاکستان میں صدرِ پاکستان وفاق کا سربراہ ہوتا ہے۔پارلیمانی نظام میں یہ غیر انتظامی عہدہ ہوتا ہے کیونکہ صدر وزیر اعظم کی نصیحت پر عمل کرنے کا پابند ہوتا ہے۔

پارلیمانی نظامِ جمہوریت وہ نظام ہے جو اختیارات کا مرکز اور محور وزیرِ اعظم کو بناتا ہے یعنی تمام تر اختیارات وزیرِ اعظم کے پاس ہوتے ہیں،پارلیمانی نظام میں وزیرِ اعظم براہِ راست عوم سے ووٹ نہیں لیتا بلکہ اس نظام میں عوام اپنے حلقے سے جو امیدوار کامیاب کرتے ہیں وہ پارلیمنٹ کے ممبر بنتے ہیں پھر انہی ممبران میں سے وزیرِاعظم کا چناؤ کیا جاتاہے جو کہ ممبرانِ پارلیمنٹ کرتے ہیں،یعنی دوسرے الفاظ میں وزیرِاعظم بالواسطہ ممبران پارلیمنٹ کے عوام کی رائے سے چنا جاتا ہے۔

وزیرِاعظم بننے کے بعد مملکت کے امور چلانے کے لیے وزیرِ اعظم اپنی ٹیم تشکیل دیتا ہے جسے عرفِ عام میں کابینہ کہاجاتاہے،پارلیمانی نظام میں پارلیمنٹ کے الگ الگ فورم ہوتےہیں ان فورموں کو اپنا اپنا نام دیاجاتاہے،انہی فورموں میں سے ایک نام ہے صوبائی اسمبلی کا، جیساوزیرِاعظم کا چناؤ کیا جاتا ہے ممبرانِ پارلیمنٹ کے توسط سے ایسے ہی صوبائی اسمبلی اپنے لیے اپنے ممبران میں سے قائد کا چناؤ کرتی ہے جس کو وزیرِاعلیٰ کا نام دیا گیا ہے،وزیرِاعلیٰ اپنے صوبے کا نظام چلانے کے لیے اپنے رفقائے کار کا تعین کرتا ہے جو صوبے کا نظام چلاتے ہیں۔[1]

دوسری قسم صدارتی نظام

صدارتی نظام جمہوریت کی ہی ایک قسم ہے اس قسم کی جمہوریت میں اختیارات کا مرکز اور محور صدر ہوتاہے،جمہوریت کی اس قسم میں عوام یارعایا اپنے صدر کو خود منتخب کرتی ہے جو کہ عوام کے براہِ راست ووٹوں سے صدر بنتاہے ،اس نظام میں جہاں لوگوں کی اکثریت کے ووٹوں کی حمیت حاصل کرنا ضروری ہے وہیں پر صدر بننے کے لیے الیکٹورل کالج کی اکثریت کی حمایت حاصل کرنا بھی ضروری ہے اس نظام میں الیکٹورل کالج بھی ہوتاہے جو

---

(۱)جمہوریت کیاہے،ص ۷۰

ملک کی ریاستوں کے نمائندوں پر مشتمل ہوتا ہے، صدر منتخب ہونے بعد صدر ملکی نظم و نسق چلانے کے لیے اپنے رفقاء کا تعین کرتا ہے جو ملکی نظم ونسق چلانے میں صدر کے ساتھ ہوتے ہیں، صدارتی نظام میں صدر اپنی کابینہ بناتے ہوئے کسی بھی تجربہ کار یا ماہر شخص کو اپنی کابینہ میں شامل کر سکتا ہے اور اسے وزارت ک قلمدان سونپ سکتا ہے اس کے لیے اس کا عوام سے ووٹ لے کر منتخب ہونا ضروری نہیں ہے البتہ اتنا ضروری ہے کہ یہ نامزد رکن قانون کے تشکیل کرنے میں حصہ دار نہیں ہوتا، قانون کی تشکیل اس نظام میں الیکٹورل کالج کے ذمہ ہوتی ہے۔ [۱]

جمہوری حکومت کے ہر دو نظام اس وقت دنیا کے مختلف ملکوں میں رائج ہیں کہیں جمہوریت کا پارلیمانی نظام اور کہیں جمہوریت کا صدارتی نظام رائج ہے دونوں نظاموں کی بنیاد جمہوریت ہے بنیادی نظریات ایک ہیں صرف بات اختیارات کی ہے، پارلیمانی نظام میں وزیرِ اعظم بااختیار ہوتا ہے، جبکہ صدارتی نظام میں صدر بااختیار ہوتا ہے۔

---

(۱) جمہوریت کیا ہے، ص:۲۶۹

فصل چہارم:
سربراہِ مملکت کے اختیارات

فصل چہارم:

سربراہِ مملکت کے اختیارات

لغت میں اختیارات بمعنیٰ صَلاحِیَات (اسم) ۔اختیارات۔ممارسة الصلاحیات : اختیارات کا استعمال ،سُلْطَةُ تنفِیذیَّة (اسم) عملی اختیارات ، تنفیذی اختیارات ، انتظامی اختیارات (۲) انتظامی عہدہ دار ، منتظم ، اعلی افسر اسْتَخْدَمَه السُّلْطَاتِ (فعل) - اختیارات سے کام لینا خَوَلَ فُلانًا الصَّلاحِيَّاتِ (فعل) - اختیارات دینا ۔(۱)

اختیارات کا اصطلاحی مفہوم

اختیارات کا اصطلاحی معنیٰ یہ ہے کہ وہ اختیارات جو سربراہِ مملکت کو حاصل ہیں، جو ملک کی ترقی واستحکام کی بنیاد فراہم کرتے ہیں وہی اختیارات مملکت کا نظم ونسق چلانے میں سربراہِ مملکت کے کام آتے ہیں۔(۲)

اختیارات بنیادی طور پر سربراہ مملکت کے اختیارات اسے مملکت کے آئین کی وجہ سے ملتے ہیں پھر یہ دو طرح کے اختیارات ہیں ایک سربراہ کے اختیارات دوسرا مملکت کے اختیارات اگر اسلامی مملکت ہے تو اس کے اختیارات اور ذمہ داریاں الگ ہیں اور اگر غیر اسلامی مملکت ہے تو اس کی ذمہ داریاں اور ہیں۔

اسلامی مملکت میں قانون کی تشکیل

اسلامی نقطہ نظر سے وحی کے ذریعے اسلامی تعلیمات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے آپ ﷺ نے قوانین تشکیل دیئے، جنہیں احکامِ شریعت کہتے ہیں۔ شریعت کی تعلیمات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قانون تشکیل دیا جاتا ہے۔ حضور ﷺ صاحبِ شریعت اور حکمران تھے نبی کریم ﷺ کے دنیا سے پردہ فرما جانے سے خلافت کا دور شروع ہوا۔ احکام کے نفاذ کی تکمیل محمد ﷺ کر گئے تھے۔ اب امت کے ذمہ اس کی نگہبانی ہے جس میں فرد انفرادی طور پر شریعت کا پابند ہے تو اجتماعی طور پر امتِ اسلامیہ پر اس کی نگہبانی بھی ہے۔ اسلامی مملکت کے فرائض میں احکاماتِ دین پر عمل در آمد کروانا بھی شامل ہے اور زندگی کے باقی اجتماعی معاملات میں شریعت کے تمام خیر اور برکت کو فروغ دے اور اسی طرح وہ امور جن کے ذریعے سے ظلم کو مٹایا جا سکے اس کے لیے نیکی کے کرنے کا حکم اور برائی سے روکنے کا نظام قائم کریں۔

---

(۱)لسان العرب، ص۹۶

(۲)احکام السلطانیہ: ص ۱۵

نیکی کا حکم و برائی سے روکنے کا قانون

قانون وسعت والا قانون ہے، جس میں دعوت و تبلیغ کے ساتھ خیر و انصاف پر عمل در آمد اور شر و ظلم کا خاتمہ بھی شامل ہے کیونکہ قانون میں زیادہ تر منفی چیزوں پر توجہ ہوتی ہے قانون وہ ہوتا ہے جس کی سزا مقرر ہو۔ ورنہ توجیہی قوانین زیادہ تر پارلیمنٹ کی خواہشات کو ظاہر کرتے ہیں اسی وجہ سے کچھ دانش وروں کو یہ سمجھنے میں غلطی ہوئی کہ شریعت کے مثبت احکام ریاست کی فرائض میں شامل نہیں حلانکہ اللہ ربّ العزت نے صلوٰۃ اور ذکوٰۃ کے علاوہ نیکی کا حکم کرنا، برائی سے روکنا بھی حکومت کی ذمہ داریوں میں شامل کیا ہے لیکن کچھ متجددین معروف کو حکومت کے فرائض سے الگ کرتے ہیں۔ تاکہ شریعت بھی صرف قانون رہے۔ ان متجدین میں سے جاوید احمد غامدی کا خیال ہے کہ حکومت مسلمان شہریوں کو جرم کرنے سے باز رکھ سکتی ہے اور جرم کرنے پر سزا بھی دے سکتی ہے لیکن دین کے حکموں نماز، زکٰوۃ کے ماسوا کوئی بھی حکم قوت سے عوام پر مسلط نہیں کر سکتی مثلاً انہیں روزہ رکھنے کا حکم نہیں دے سکتی اور صاحبِ نصاب کو جبراً زکوٰۃ دینے پر مجبور نہیں کر سکتی اسلامی فوج میں بھرتی کے لیے جبری بھرتی نہیں کر سکتی مختصر یہ کہ جرائم میں اسلامی حکومت کا اختیار بہت زیادہ ہے۔ لیکن شرعی حکموں میں نماز، زکوٰۃ ہی اس کے دائرہ اختیار میں آتے ہیں دوسرے امور دائرہ اختیار میں نہیں ہیں۔ [1]

مختصر یہ کہ حکومت نماز اور زکوٰۃ کے علاوہ کسی دوسرے شرعی کام کا حکم نہیں دے سکتی اسلامی تعلیمات کی روح سے یہ بات غلط ہے اور غیر اسلامی ہے۔

ذیل میں مذکورہ بالا دعوے کا علمی جائزہ لیا گیا ہے:

سربراہ مملکت کی اطاعت

قرآنِ مجید میں اولی الامر یعنی اقتدار والوں کی فرمانبرداری کا امر بھی دیا گیا ہے ۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ ﴾ [2]

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی تابعداری اختیار کرو اور پیغمبر کی تابعداری اختیار کرو اور جو تم میں حکمران ہیں ان کی بھی۔

مذکورہ بالا آیت کی تشریح میں حکمرانوں کی اطاعت واجب ہے کو گذشتہ صفحوں میں بیان کیا جاچکا ہے۔

---

(۱) میزان، جاوید احمد غامدی، طبع سوم، مئی ۲۰۰۸ء، لاہور، ص ۴۹۳، ۴۹۲

(۲) سورۃ النساء: ۴/ ۵۹

صحیح احادیث میں بھی یہی ہے کہ وہ معروف میں تابعداری کریں، معصیت میں تابعداری نہ کریں: ایک متفق علیہ حدیث ہے کہ

((السمع والطاعة على المرء المسلم فيما أحب أو كره ما لم يؤمر بمعصية فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة))[1]

ترجمہ: سماعت کرنا اور ماننا فرض ہے ایک مسلمان پر چاہے اسے حکم محبوب ہو یا برا لگے تاوقتیکہ اللہ کی نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے پس جب نافرمانی کا حکم کرے تو پس نہ سنا جائے نہ پورا کیا جائے۔

یعنی مطلب یہ ہے کہ نافرمانی کے حکم کی اطاعت نہیں کرنی۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں فرمان مبارک ہے:

((إنما الطاعة في المعروف)) [2]

ترجمہ: اطاعت صرف معروف (کے کاموں) میں ہے۔

خلیفۂ رسول ﷺ سیدنا صدیق اکبر نے خلیفہ بننے پر پہلے خطبے میں یہ ارشاد فرمادیا تھا کہ:

((اطیعوني ما أطعت االله وَرسوله فإذا عصيت الله ورسوله فلا طاعة لي عليكم))[3]

ترجمہ: میری اطاعت کرو تاوقتیکہ میں فرمانبردار رہوں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا پس جس وقت میں ان کا نافرمان ہو جاؤں پھر تم پر میری اطاعت نہیں ہے"

احادیث ثابت کرتی ہیں کہ اہلِ اقتدار کی تابعداری جائز اور معروف میں لازم ہے منکر اور معصیت میں نہیں۔

اسلامی مملکت کے سربراہ کے فرائض اور اختیارات:

سربراہِ مملکتِ اسلامی کی ذمہ داریاں و اختیارات کے بارے میں سب سے پہلے قرآنی آیات جن میں مملکت سے متعلقہ ذمہ داریوں، اختیارات کا حکم ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے

---

(۱) صحیح بخاری: ۷۱۴۴، صحیح مسلم: ۷۶۴

(۲) صحیح بخاری: ۴۵۷۱

(۳) کنز العمال، علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی، مکتبۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۸۵ء، ج۵، حدیث ۲۲۸۲

﴿ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا ---﴾(۱)

وہ لوگ جن کو اگر اندر زمین کے اقتدار ملے تو یہ نماز پڑھیں، اور ادا کریں زکٰوۃ، اور نیکی کا امر کریں، برائی سے منع کریں اور امور کا انجام اللہ ہی کے لیے ہے۔

نیز رب کریم کا فرمان ہے کہ:

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ--﴾(۲)

ترجمہ: چاہیئے کہ ہو تم میں ایک جماعت جو بلائے نیکی کی طرف، معروف کا امر کرے اور برائی سے منع کریں، اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔

مذکورہ بالا آیات سے واضح ہوتا ہے کہ مملکتِ اسلامی تمام اچھے کاموں کے کرنے اور تمام خراب امور سے باز رکھنے کے لیے قانون سازی کا اختیار رکھتی ہے قرآن مجید میں یہ معروف اور منکر "عام" استعمال ہوئے ہیں ان کو خاص نہیں کیا جاسکتا یعنی یوں نہیں کہہ سکتے کہ اسلامی مملکت کچھ اچھی کاموں کا تو امر کر سکتی ہے اور کچھ کا نہیں کر سکتی کیونکہ قرآن نے معروف کا لفظ بغیر کسی تحدید اور تخصیص کے ذکر کیا ہے۔

امین احسن اصلاحی کا موقف یہ ہے کہ خلیفۂ وقت روزے کے شرعی حکم سمیت اللہ ربّ العزت کے سارے منصوص حکموں پر قانون کی طاقت سے عمل درآمد کرا سکتا ہے۔ رقمطراز ہیں کہ:

حضور ﷺ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد جن قبائل نے دین سے روگردانی کی ان کا یہ کہنا تھا کہ ہم نماز تو پڑھے گے لیکن ہم زکٰوۃ نہیں دینگے جس پر سیدنا صدیقِ اکبر بازورے طاقت زکٰوۃ کی ادائیگی پر لانے کا فیصلہ کیا ان کے نزدیک زکٰوۃ کا نہ دینا شریعت کے منصوص احکام میں شامل تھا جس کے متعلق دو رائے نہیں ہو سکتی تھی اسی بناء پر شوریٰ کی مشاورت کا اپنے آپ کو پابند نہیں سمجھا بلکہ بحیثیتِ خلیفہ اپنا فرض خدا کے قانون کا نفاذ مدِّ نظر رکھا جس کے تحت انہوں نے فیصلہ کیا کہ اگر یہ گروہ زکٰوۃ ادا نہیں کرینگے تو ان کو طاقت کے بل بوتے پر زکٰوۃ دینے پر مجبور کیا جائے۔(۳)

چنانچہ اسلامی مملکت نماز اور زکٰوۃ سمیت تمام اچھے کام کرنے کا حکم اولاً اخلاقی طریقے سے تعلیم و تبلیغ، ترغیب و تلقین سے دے گی۔ اگر اس سے عوام اچھے کاموں کی پابندی کرے گی اسلامی حکومت کا عوام سے کوئی

---

(۱) سورۃ الحج: ۲۲/۴۱

(۲) سورۃ آلِ عمران: ۳/۱۰۴

(۳) اسلامی ریاست، امین اصلاحی، دارالتذکیر، طبع ۲۰۰۶ء، لاہور، ص ۴۰

ٹکراؤ نہیں ہو گا لیکن اگر حکومت کے اخلاقی طریقہ کار کے باوجود عوام معروف پر عمل نہیں کرے گی اور اسلامی مملکت پر لازم ہے کہ وہ عوام کو قانون کی طاقت کے ذریعے اس کا پابند بنائے کیونکہ اسلامی تعلیمات کی روح سے اسلامی حکومت معروف کی پابندی کروانے کے لیے وسیع اختیارات رکھتی ہے۔

اسی طرح روزہ رکھنا دین کا ایک ایجابی تقاضا اور ایک شرعی حکم ہے جس طرح اوپر بیان کیا گیا کہ اسلامی حکومت پہلے اخلاقی طور پر نصیحت کے انداز میں لوگوں کو تلقین کرتی ہے کہ وہ روزے کے حکم کی پابندی کرے لیکن اگر عوام پر حکومت کی نصیحت اور تلقین اثر نہ کرے اور عوام رمضان کے مہینے میں سرِ عام روزہ خوری کرے تو اسلامی حکومت قانون کی طاقت سے ان روزہ خوروں کو روزہ رکھنے پر مجبور کرے اور ماحول کو کنٹرول کرنے کے لیے روزہ خوروں کو سزا بھی دے سکتی ہے۔

اسلامی مملکت ایک دستور العمل رکھتی ہے صرف واعظ اور ذاکر کا کردار نہیں دیا گیا اسلامی ریاست کو دنیا میں رائج حکومتوں کی طرح بااختیار بنایا گیا ہے جو قانون پر عمل درآمد کروا سکتی ہے۔

روزے کی طرح حج بھی دین کا ایک ایجابی تقاضا اور ایک شرعی حکم ہے جس طرح اوپر بیان کیا گیا کہ اسلامی حکومت پہلے اخلاقی طور پر نصیحت کے انداز میں لوگوں کو تلقین کرتی ہے کہ جو لوگ قدرت رکھنے کے باوجود حج کرنے میں کوتاہی کریں تو اسلامی حکومت قانون کی طاقت سے ان ان صاحبِ استطاعت لوگوں کو قانون کی طاقت سے حج کرنے پر مجبور کر سکتی ہے اسلامی حکومت اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے قانون کی طاقت کا استعمال سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی روشنی میں کر سکتی ہے۔ :

((لو ترك الناس الحج لقاتلتهم عليه كما نقاتلهم على الصلاة والزكوٰة))(۱)

"ترجمہ: اگر چھوڑ دیں لوگ حج کو (باوجود قدرت کے) البتہ میں ان سے لڑوں گا جیسے ہم لڑتے ہیں زکوٰۃ اور نماز چھوڑنے والوں کے خلاف ۔

اسی طرح امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

((لقدهممت أن أبعث رجالا إلى هذه الأمصار فلينظروا كل من كان له جدة،ولم يحج،فيضربوا عليهم الجزية،ما هم بمسلمين،ما هم بمسلمين)) (۲)

(۱) درّ منثور، جلال الدین السیوطی، ناشر ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور ج، ص ۲/ ۳۹۳

(۲) کنز العمال، رقم الحدیث: ۱۲۴۰۰

ترجمہ: میرا ارادہ ہے کہ تمام شہروں میں آدمی بھیجوں تا کہ وہ ان کا پتہ چلائیں جو قدرت ہوتے ہوئے حج نہیں کرتے تو میں ان پر جذیہ رکھوں کہ ایسے لوگ مسلمان نہیں ہیں ایسے لوگ مسلمان نہیں ہیں۔

جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت صاحبِ استطاعت مسلمانوں کو حج کرنے پر قانون کی طاقت سے مجبور کر سکتی ہے۔

جہاد کا حکم

جہاد بھی ایجابی تقاضا اور ایک شرعی فریضہ ہے جس کے متعلق علماء کا اجماع ہے کہ جیسے دوسری ریاستیں اپنے ملک کی دفاع میں غفلت نہیں برتیں جنگی ماحول میں جبری بھرتی کا قانون نافذ کرتی ہیں ویسے ہی اسلامی مملکت بھی ملک کی دفاع کے لیے ہمہ وقت تیار رہتی ہے اور اس سے غافل نہیں ہوتی اسلام میں اسے جہاد کہتے ہیں اور اسلام اس کو اسلامی تعلیمات میں ہے کہ حکومت جنگی حالات کے پیشِ نظر جہاد، قتال کے لیے فوجی تربیت کا حاصل کرنا نوجوانوں پر لازم کر سکتی ہے۔ جو لوگ شرعی عذر کے بغیر ایسی صورتِ حال میں جہاد میں شریک نہ ہوں تو اسلامی حکومت ان کے خلاف تادیبی کاروائی کر سکتی ہے۔

سورۃ التوبہ میں ان تین بدری صحابہ کا حکم ہے جو غزوہ تبوک میں شرکت نہ کر سکے تھے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ان تینوں صحابہ سے سوشل بائیکاٹ کی سزا دی تھی، جو اتنی سخت تھی کہ منکوحہ بیویوں کے لیے حکم تھا کہ اپنے ان خاوندوں سے نہیں مل سکتی تھیں۔ (۱)

تعلیم کا حصول

دنیا کی ترقی یافتہ ریاستوں میں زبردستی تعلیم کا قانون رائج ہے جس کی حکم عدولی پر والدین کے لیے بھی سزا متعین ہے اور کوئی بھی معقول شخص اس کی مخالفت نہیں کر سکتا اسلام میں بھی تعلیم کا حصول لازمی ہے۔

حدیث میں ہے کہ

((طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم))(۲)

ترجمہ: طلب کرنا (حصول علم) ایک فریضہ ہے ہر ایک مسلمان پر۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، حدیث ۴۶۷۷

(۲) سنن ابن ماجہ، امام ابو عبد اللہ بن زید ابن ماجہ، دار السلام، ۱۹۹۶، ریاض، سعودی عرب ج، ص: ۱/۸۱

قرآن مجید کی تعلیم زبردستی طور پر قائم کی اسلامی مملکت بھی اپنے مسلمان شہریوں کو تعلیم کی ترغیب وعظ و نصیحت کے انداز میں دیتی ہے پھر بھی اگر لوگ دین کی بنیادی تعلیم حاصل کرنے میں کوتاہی کریں تو ان پر زبردستی کر سکتی ہے۔ اس کا ثبوت خلافتِ راشدہ سے ملتا ہے۔ علامہ شبلی نعمانی لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعرابیوں اور خانہ بدوشوں کے لیے قرآن زبردستی طور پڑھوانے کے لیے ان کے لیے بندہ متعین فرمایا اس کی ذمہ تھا ان سے قرآن کا امتحان لینا اگر قرآن میں سے کچھ بھی نہ آتا ہو تو ان کے خلاف تادیبی کاروائی کرے۔[۱]

اسلامی ریاست دینی علوم بذریعہ قانون بھی رائج کر سکتی ہے۔

حکومتی عہدے اور اسلامی مملکت:

اسلامی مملکت زبردستی اہل افراد کو حکومتی عہدے قبول کرنے کا کہہ سکتی ہے۔ اس سلسلے میں روایت ہے کہ خلیفہ دوم فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے معروف صحابی سعید بن عامر جمحی رضی اللہ عنہ کو شام کے علاقے حمص کا گورنر بنانے کا ارادہ کیا جس پر انہوں نے منع کر دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا مجھے قسم ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ تم لوگ ساری ذمہ داریوں کا بوجھ میری گردن میں ڈال دو خود اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھ جاؤ۔[۲]

اس پر سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نے وہ عہدہ لے لیا۔

نیز اسلامی حکومت کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ امانتیں اس کے اہل کو دیں۔ فرمانِ خداوندی ہے۔

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا ﴾[۳]

ترجمہ: یقیناً اللہ حکم دیتا ہے تم کو کہ امانتیں ان کے حقداروں کو دو۔

عورت کا شرعی پردہ

مسلمان عورت کا شرعی پردہ بھی دین کا ایک ایجابی تقاضا اور شرعی امر ہے۔ شریعت نے ریاست کو عورتوں کو پردے کا پابند بنانے کے لیے انہیں وعظ و نصیحت کے ذریعے بھی تلقین کرنے کا کہا ہے اور اگر اس کا ان پر اثر نہ ہو تو ان کو قانوناً زبردستی پردے کا پابند بنایا جا سکتا ہے۔ بعض اس کے باوجود کچھ جدت پسندوں کا یہ خیال ہے کہ عورت کے لیے پردے کا حکم نہیں دیا گیا اور دیا گیا ہے بھی تو اسے عورت کا ذاتی عمل کہتے ہیں اس پر پابندی نہیں بلکہ صرف

---

(۱) الفاروق، علامہ شبلی نعمانی ص۲۴۸، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، لاہور ص ۱۵۸

(۲) مصنف عبد الرزاق، دار الفکر، ۱۹۷۴، بیروت ۱۱ / ۳۴۸

(۳) سورۃ النساء: ۴/ ۵۸

رسم ورواج ہے لیکن ساری امت اس کو شریعت کا ایک ضروری حکم مانتی ہے اور یہی موقف ہمارے ملک میں موجود جدت پسندوں کے استاد کا بھی ہے۔ مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"جیسے دوسری حکومتیں اپنی حدود میں اپنے قوانین کے خلاف کوئی کام نہیں کرنے دیتیں جس سے اس ملک کا قانون متاثر ہوتا ہو اور معاشرتی زندگی پر اس کا غلط اثر پڑتا ہو تو اسلامی حکومت بھی اپنی حدود میں کیسے اجازت دے سکتی ہے، خواتین مغرب زدہ عورتوں کی طرح بے حیا ہو کر پھریں اور اور لوگوں کے اخلاق کے بگاڑ کا سبب بنیں۔ جس سے اسلام کا معاشرہ برباد ہو۔ " (۱)

جمہوری مملکت میں احکام کی تشکیل

جدید جمہوری مملکت میں قانون بنانا پارلیمنٹ کا کام ہے، اس قانون کی تشریح و تعبیر عدلیہ کی ذمہ داری ہے، اور اس قانون پر عمل درآمد حکومت یعنی انتظامیہ کا فرض ہے۔ مطلب یہ کہ جمہوری مملکت کی بنیاد تین اداروں پر ہوتی ہے۔ ۱پارلیمنٹ (مقننہ)۔ ۲عدلیہ۔ ۳حکومت (انتظامیہ)

یہی ادارے احکام کا تعین کرتے ہیں، قانون بنانا پارلیمنٹ کی ذمہ داری ہے جب قانون میں کسی قسم کا تنازع یا ابہام آتا ہے تو اس قانون کی تشریح عدلیہ کرتی ہے اور عدلیہ کے فیصلہ اور پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل درآمد کروانا حکومت یعنی انتظامیہ کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

(۱) اسلامی ریاست: ص۲۱۹

باب دوم

اسلامی و جمہوری نظامِ حکومت، تشکیل اور بنیادی نظریات

فصل اول: اسلامی نظام حکومت کا تعارف

فصل دوم: اسلامی نظام حکومت کی بنیادی خصوصیات

فصل سوم: جمہوری نظامِ حکومت کا تعارف

فصل چہارم: جمہوری نظامِ حکومت کے بنیادی نظریات

فصل اول:
اسلامی نظام حکومت کا تعارف

فصل اول:

اسلامی نظام حکومت کا تعارف

دین محمدی ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو محض مذہب کی بات نہیں کرتا جو چند عقائد کا مجموعہ اور محض پوجا پاٹ کے کچھ طریقوں کا نام ہو بلکہ یہ دین ہے ایسا دستور حیات جو شعبہائے زندگی کے ہر ہر پہلو پہ حکمرانی کرتا ،اور مذہب، سیاست اس پورے نظام حیات جز ہیں۔ اسلامی نظریہ مغربی فکرو فلسفہ کی پیداوار اس غیر منطقی تصور کی نفی کرتا ہے جس کی رو سے دین اور سیاست دو الگ چیزیں ہیں۔ اسلام کے نظام فکر و عمل میں دین و دنیا کی جدائی کے نظریے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام نے جہاں انفرادی زندگی میں فرد کی اصلاح پر زور دیا ہے ، وہاں اجتماعیت کے لیے واضح اصول دیئے ہیں، انسان فطرتاً اجتماعیت پسند ہے [1] اس کی اجتماعی زندگی کی تہذیب و ترتیب میں مملکت کا کردار ہمیشہ سے اہم رہا ہے اسلام انسان کی ہمہ پہلو راہنمائی میں اہم مقام رکھتا ہے ۔

﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ﴾ [2]

ترجمہ: ہم نے کسر نہ رہنے دی کتاب میں کسی شئے کی ۔

اسلامی شریعت کا قانون اس درجہ جامعہ اور ہمہ گیر ہے اس میں حکومت مملکت کے احکام وقواعد نظام شوریٰ حکام کی جوابدہی اور معروف میں ان کی اطاعت کا وجوب ، صلح و جنگ اور معاہدوں کے احکام اور دیگر تمام معاملات سے متعلق مکمل رہنمائی موجود ہے ۔ اس طرح سنت مطہرہ میں امیر ، امام اور سلطان کے الفاظ کے بار بار استعمال ہوئے ہیں ۔

اسلام ایک ایسا نظام ہے جو دنیا اور آخرت دونوں پہ محیط ہے دین دنیا کے بغیر مکمل نہیں ہے۔ تمام دنیوی احکامات و معاملات جو معاشرہ و سیاست کے متعلق ہوں ،خواہ وہ ریاست کے داخلی ، خارجی امور سے ،ریاست کا اپنا وجود ہو یا کائنات اور زندگی کا سوال ، ان سب کا دینی منہج پہ چلنا ہی اس کا مرکزی نقطہ قرار پاتا ہے یہی اسلام کا مطمع نظر ہے۔ اسلام میں ریاست کا کوئی عمل دین سے جدا نہیں ہوتا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے تحت کہتے ہیں:

---

(۱) مقدمہ ابن خلدون، ص:۸

(۲) سورۃ الانعام:۶/ ۳۹

"دنیا آخرت کی کھیتی ہے، دین دنیا کے بغیر مکمل نہیں ہوتا ،اقتدار اور دین جڑواں ہیں۔دین اصل و بنیاد ہے اور اقتدار وحکومت اس کی محافظ و پہردار ہے۔جس کی اصل وبنیاد نہ ہو وہ منہدم ہو اور جس کی حفاظت کرنے والا نہ وہ قائم نہیں رہتی ۔ [1]

مملکت کے متعلق اللہ رب العالمین کا فرمان ہے کہ:

﴿اذجعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکاً﴾ [2]

ترجمہ: بنائے تم میں انبیاء اور بنائے تم میں بادشاہ۔

اگر غور کیا جائے تو اس میں اللہ نے مسلمانوں کی حکومت کے قیام کو بیان کیا ہے۔

مسلمانوں کی ریاست کے قیام کی طرف اللہ رب العالمین کا وعدہ بیان کیا ہے۔اللہ رب العزت کا فرمان ہے کہ:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ---------﴾ [3]

ترجمہ:: تم میں سے وعدہ کیا ہے اللہ نے ان سے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے کہ وہ ضرور انہیں خلافت دے گا، زمین میں جس طرح ان کے پہلوں کو خلیفہ بنایا۔

اس آیت میں خلافت کا وعدہ ہے ایمان والوں سے جو کہ عملِ صالح کرتے ہوں خالص اللہ کی عبادت کرنے والوں سے کہ اللہ ان کو زمین میں اپنا نائب بنائے گا مطلب یہ کہ ایسے نائب جو اللہ کے احکامات اور قوانین کی پاسداری کرتے ہوئے رعایا کو بھی ان کا پابند بنائیں گے، اللہ کی عبادت اور ایمان بنیاد ہے اس بات کی کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو اس آیت میں اسلام کی تعلیمات پر مبنی ریاست کے قیام کا کہا گیا ہے، جو ریاست امن و امان کے قیام کی ذمہ داری پوری کرے گی بلکہ اللہ ایسی مملکت سے مؤمنین کے خوف کو امن سے بدل دیں گے اور ان کو ان کے پسندیدہ دین میں مستحکم کر دیں گے، اور جب ایسی ریاست ہو گی تو وہاں برائی کا خاتمہ ہو گا، نیکی کو فرغ ملے گا اور نیکی کی ترویج ہو گی جو صحیح معنوں میں لوگوں کی بھلائی کے نظام پر قائم ریاست ہو گی، دراصل اسلام میں ریاست کے قیام کا مقصد مخلوقِ خدا کے لیے ایسے انتظامات کئے جائیں جن سے لوگوں کی دنیاوی فلاح کے ساتھ اخروی فلاح بھی ممکن ہو سکے، جس میں اللہ کے قانون کا بول بالا ہو ،اسلامی ریاست میں اللہ کے احکامات پر عمل پیرا ہوں، اسلامی ریاست کے

---

(۱) البر المسبوک فی نصائح الملوک، امام غزالی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت لبنان، ۱۹۸۸ء، ص ۲۸

(۲) سورۃ المائدۃ: ۵ / ۲۰

(۳) سورۃ النور: ۲۴ / ۵۵

مقاصد میں سے یہ ہے کہ ریاست کے ذمے ہے یہ بات کہ رعایا کی بھلائی کے لیے اقدامات کرے جن سے عوام کی فلاح ہو سکے چاہے وہ فلاح دنیاوی اعتبار ہو یا اخروی اعتبار سے ہو، مملکت کا فرض ہے کہ لوگوں کو نیکی کے کاموں میں شامل کرے یا نیکی کے کاموں کی تلقین کرے، مثلا نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دیگر نیکی کے کاموں کی طرف عوام کو راغب کرے اگر رعایا جان بوجھ کر ان سے روگردانی کرے تو رعایا کو پابند بنانا، یہ بھی کہ عوام کو برائی سے روکنے کی ذمہ دار ہے کہ عوام اللہ کا حکم جانتے ہوئے ان کاموں سے باز رہیں جن سے اللہ نے منع کیا ہے، مثلاً شراب، جوا، زنا ،ناحق قتل کرنا وغیرہ جیسے برائیوں سے عوام کو روکے اگر عوام جان بوجھ کر ان کا ارتکاب کرے تو ان کو سزائیں دے اور بزورِ حکومت اس کا سدِباب کرے

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس کو یوں بیان کرتے ہیں:

> ریاست عوم کا گروہ جو ایک قانون اور سسٹم کے تحت مل جل کر رہتے ہیں چاہے وہ ایک ساتھ ایک شہر یا علاقے میں رہیں یا الگ الگ علاقوں میں رہیں کہلاتی ہے۔[1]

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ریاست کا نام دیتے ہیں جس میں ان لوگوں کی تہذیب و ثقافت ایک ہو، قانون ایک ہو، اس سے قطع نظر کہ وہ ایک مشترکہ علاقے کے باشندے ہوں یا الگ الگ علاقوں کے رہنے والے ہوں۔

اسلامی حکومت قائم کرنا اہم ہے

اسلام جہاں ریاست کے قیام کو اہمیت دیتا ہے وہیں اسلام اس ریاست کو اسلامی ریاست بنانے کے لیے احکامات اور تعلیمات سے نوازتا ہے، دنیا کی تاریخ کا مشاہدہ کیا جائے تو اسلام نے کسی دور میں بھی اسلامی ریاست کی اہمیت سے انکار نہیں کیا بلکہ کئی انبیاء علیہم السلام کے ذریعے اسلامی ریاست کا قیام کیا، اسی طرح اللہ نے یہ کلمات سکھائے ہیں کہ:

﴿ وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا ﴾[2]

ترجمہ: اور اپنے پاس سے میرے لیے حکومت کو بطورِ مددگار بنا۔

اس آیت مبارکہ کے نزول کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے اتری یعنی ہجرت اس مقصد سے کرائی گئی کہ ایک ریاست قائم کی جاسکے۔

---

(۱) حجۃ اللہ البالغہ، ۱/ ۴۴

(۲) سورۃ الاسراء: ۱۷/ ۸۰

ریاست اور اقتدار کی اہمیت بیان کرتے ہوئے خلیفہ ثالث سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

"إن الله ليزع باالسلطان مالا يزع بالقرآن" (۱)

ترجمہ: بے شک اللہ سلطان سے قائم کر دیتا ہے جس کو قرآن قائم نہیں کرتا۔

دیگر نظاموں کی طرح اسلام اپنے قوانین کے نفاذ کے لیے فقط دعوت، تبلیغ پر انحصار نہیں کرتا بلکہ اسلام اپنے قوانین کو نافذ کرنے کے لیے حکومت کی قوت بھی فراہم کرتا ہے جس سے اسلامی احکامات کے قیام کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔

حکومت کا قیام اور ریاستی قوانین کی تشکیل اسی ریاست کے ادارے کے تحت عمل میں لائی جاتی ہے

یہاں قرآن حکیم کی روشنی میں چند استدلات کے ذریعے اسلام اور مملکت و حکومت کے تعلق کی مزید وضاحت کی جاتی ہے۔

۱۔ قرآن حکیم کی تعلیمات سے واضح ہے کہ ریاست کا قیام انسانی معاشرے کو منظم بنانے کی خاطر لازمی ہے، دراصل کوئی بھی صالح اجتماعی نظام ان بنیادی عوامل کے بغیر قائم نہیں ہو سکتا جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

عدل، شوریٰ، اطاعت، جماعۃ اور دستور کی پاسداری، یہ تمام اصول قرآن حکیم کے احکامات بھی ہیں لہذٰا ان تمام عوامل کے بارے میں جملہ آیات کی تنفیذ بھی ریاست و حکومت کے قیام کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ نیز قرآن کی کئی آیتیں تشریحی احکام کو بیان کرتی ہیں جو متعلق ہیں امامت و اداروں کے۔ ریاست کو قائم کرنے کی بنیاد فراہم کرتی ہیں۔

قرآن حکیم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد خداوندی ہے کہ:

﴿وَشَاوِرۡهُمۡ فِي ٱلۡأَمۡرِ﴾ (۲)

ترجمہ: اور معاملات میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو۔

۲۔ قرآن میں مسلمانوں کے اوصاف میں سے مشورہ کرنا بھی بیان کیا ہے:

﴿وَأَمۡرُهُمۡ شُورَىٰ بَيۡنَهُمۡ﴾ (۳)

ترجمہ: اور ان کے معاملات مشورے سے طے ہوتے ہیں۔

---

(۱) تاریخ الخطیب البغدادی، ابو بکر احمد بن علی المعروف الخطیب البغدادی، دار الغرب الاسلامی، بیروت، ۶/ ۳۷۲

(۲) سورۃ آل عمران: ۳/۱۵۹

(۳) سورۃ الشوریٰ: ۴۲/۳۸

نظام شوریٰ ریاست کا اساسی نظریہ ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اسلام کا نظام قائم کیا جائے اگر سیاست و ریاست دین کا اہم حصہ نہ ہوتا تو اسلام ریاست و حکومت اور ان کے اداروں پہ تفصیلی بحث کیوں کرتا۔

۳۔ اسی طرح قرآن میں اختیارات اور ذمہ داریوں سے متعلق آتا ہے کہ:

﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا﴾(۱)

ترجمہ: بے شک تمہیں حکم دیتا ہے اللہ کہ امانتیں ان کے حقداروں کو دو۔

۴۔ اسی طرح معاشرے کی تنظیم اور حکومت کی اطاعت کا یہ اصول ہے:

﴿یاایھاالذین اٰمنوااطیعوااللہ واطیعواالرسول وَاُولِیْ الامرِ مِنکم﴾(۲)

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی تابعداری اختیار کرو اور پیغمبر کی تابعداری اختیار کرو اور جو تم میں حکمران ہیں ان کی بھی۔

علامہ رشید رضا مصری فرماتے ہیں کہ :یہ دونوں آیات اسلامی نظریہ ریاست و حکومت کی بنیاد ہیں ۔ قرآن مجید میں اس موضوع سے متعلق دیگر آیات نہ بھی اترتی تو پھر بھی مسلمانوں کے لیے ان سے سیاست ،مملکت و حکومت کے احکام اخذ کرنا اور رہنمائی لینے کے لیے کافی تھیں۔(۳)

۵۔ باہمی تنازعات میں حتمی فیصلہ کے لیے حقیقی مقتدر اعلیٰ اور اس کے قانون و دستور کی طرف رجوع کرنا، ان سے وابستہ رہنا، ان کو ماننا یہی اسلامی ریاست کا اصل جوہر اور لب لباب ہے۔(۴)

سورۃ المائدہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ وَ لَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَہُمۡ عَمَّا جَآءَکَ مِنَ الۡحَقِّ ﴾(۵)

ترجمہ: ان کے آپس کے معاملات اسی اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے مطابق حکم کیجئے، اس حق سے ہٹ کر ان کی خواہشات کے پیچھے نہ جایئے۔

اس کے بعد کی آیات میں اللہ تعالیٰ تاکیداً فرماتے ہیں :

---

(۱) سورۃ النساء:۴/ ۵۸

(۲) سورۃ النساء:۴/ ۵۹

(۳) اسلام کی دس امتیازی خصوصیات، علامہ رشید رضا مصری، دعوہ اکیڈمی اسلام آباد، ۲۰۱۷، ص،۱۰

(۴) ایضاً

(۵) سورۃ المائدہ:۵/ ۴۸

﴿اَفَحُکۡمَ الۡجَاهِلِیَّةِ ----- ﴾[1]

ترجمہ: کیا ان کو جاہلیت والا فیصلہ درکار ہے، اور جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں ان کے ہاں اللہ کے فیصلے سے بڑھ کر کسی کا فیصلہ مستحسن نہیں ہے۔

ان جملہ آیات میں حتمی فیصلے کے لیے شریعت کے قانون کی جانب رجوع کے لیے پابند کر دیا گیا ہے لوگوں کے درمیان شریعت کے موافق فیصلہ کا حکم حضور ﷺ کے طفیل پوری ملتِ اسلامیہ کو سونپا گیا ہے تاکہ ملت اللہ کی شریعت کے مطابق نظام حکومت و مملکت قائم کریں کیونکہ یہ مقاصد امت میں سے ہے۔ اللہ کے حکم کے مطابق فیصلے کرنے کے بارے میں تمام آیات نصب امام کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں ۔

۶۔ شریعت کے نفاذ کے لیے حکومت و مملکت کی طاقت کا ہونا ناگزیر ہے۔ مثلاً حدود اور قصاص کے احکام ہیں تقسیم وراثت لوگوں کے دیگر معاملات میں اللہ کے بھیجے ہوئے دین کے موافق معاملات طے کرتے ہیں اوراسی طرح کے دیگر احکام طبعی طور پر اپنی پشت پر حکومت کی طاقت چاہتے ہیں جسے افراد اور جماعتوں پر قابو حاصل ہو ۔ خود افراد اپنے طور پر انہیں نافذ نہیں کر سکتے۔ اسی مفہوم کو امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یوں لکھا ہے:

"لوگوں کے معاملات کی نگرانی (حکومت) دین کی عظیم ترین ذمہ داری ہے تاکہ دین قائم ہوسکے جس کے لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نیکی اوراچھائی کو کرنے کا امر دینے جب کہ برائی سے منع کیا ہے اور مقتولین کی مدد تاکید فرمائی ہے اور اسی طرح جہاد، عدل اور حدود کے نفاذ اور دوسرے واجبات وفرائض اسی وقت پایہ تکمیل کو پہنچ سکتے ہیں جب کہ قیادت اور طاقت موجود ہو۔[2]

۷۔ قرآن مجید میں مسلمانوں کو جا بجا اعتصام بحبل اللہ یعنی اللہ کی رسی کو مظبوطی سے پکڑتے ہوئے اجتماعیت اختیار کرنے اور اس سے ہر حال میں وابستہ رہنے ، تفرقے سے اجتناب کرتے ہوئے امت کو مجتمع رہنے کی تلقین کی ہے۔ اسی طرح اجتماعیت کو محفوظ بنانے کے لیے، دعوۃ الی الخیر کا درس دیا گیاہے۔ مثلاً

﴿ وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا ۪﴾[3]

---

(۱)سورۃ الشوریٰ:۴۲/۳۸

(۲)السیاستہ الشرعیۃ، ابن تیمیہ، ادارہ نور القرآن، ۱۹۹۶ء، لاہور، ص،۹

(۳)سورۃ آلِ عمران:۳/۱۰۳

ترجمہ: مضبوط پکڑو اللہ کی رسی، اور تفرقہ نہ ڈالو۔

﴿ وَلۡتَكُن مِّنكُمۡ أُمَّةٞ يَدۡعُونَ إِلَى ٱلۡخَيۡرِ ---- ﴾(۱)

ترجمہ: چاہیئے کہ ہو ایسا گروہ تم میں سے جو بلائے نیکی کی طرف، معروف کا امر کرے اور برائی سے منع کریں، اور یہی لوگ کامیاب ہیں ۔

﴿وَ لَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ تَفَرَّقُوۡا وَ اخۡتَلَفُوۡا ------ ﴾(۲)

ترجمہ: اور نہ ہونا ان لوگوں کی طرح جو تفرقے میں پڑ گئے اور کھلی کھلی ہدایات ملنے کے بعد پھر اختلاف میں مبتلاء ہوئے۔ جنہوں نے یہ روش اختیار کی ہے وہ اس روز سخت سزا پائیں گے۔

﴿كُنۡتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ ----- ﴾(۳)

ترجمہ: تم میں خیر والی جماعت وہ ہے جس کو لوگوں کی فلاح کے لیے نکالا گیا ہے، تم اچھائی کا حکم کرو اور برائی سے منع کرو۔

﴿وَ تَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡبِرِّ وَ التَّقۡوٰى ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ ﴾(۴)

اسی طرح دیگر آیات اور ان میں بیان امت مسلمہ کے حقیقی مقاصد کی تکمیل اسلامی ریاست و حکومت کا تقاضہ کرتی ہے۔ ان امور و احکامات پر عمل کسی غیر اسلامی ریاست کے سائے میں ممکن نہیں۔ امت مسلمہ کے مقاصد کی تکمیل یعنی اسلامی اجتماعیت کا قیام ، اس کی حفاظت ، نیکی کا حکم برائی سے روکنا ، دعوت ، اقامت دین کے فریضہ کی ادائیگی ، تفرقہ و تنازعات سے اجتناب، نیکی و تقوی کی بنیاد پر تعاون باہمی ، تشکیل امت کے ان تمام اہداف کا حصول ایک ایسی ریاست کی سرپرستی ہی میں ممکن ہے۔ جو اسلامی اصولوں پر قائم ہو۔

۸۔ اللہ رب العزت کا مؤمنین سے زمین کی وراثت و خلافت کا وعدہ فرمایا ہے تاکہ ان کے لیے ایمان و تقوی اور اللہ تعالی کی واحدنیت پر قائم رہنا ممکن اور آسان ہو سکے۔ قرآن مجید میں بیان تمکین و استخلاف فی الارض کا اعلان بذات خود اسلامی مملکت و اقتدار کا اعلان ہے۔ اور حقیقی خلافت کا قیام ریاستی قوت و نظم ریاست کا تقاضا کرتا ہے۔ مثلاً:

---

(۲) سورۃ آلِ عمران:۳/۱۰۴

(۲)ایضاً/۱۰۵

(۳)ایضاً/۱۱۰

(۴)سورۃ المائدۃ:۵/۲

﴿ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ﴾[1]

ترجمہ: بے شک ہمارے صالح لوگ زمین کے وارث ہوں گے۔

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ---------﴾[2]

ترجمہ:: تم میں سے وعدہ کیا ہے اللہ نے ان سے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے کہ وہ ضرور انہیں خلافت دے گا، زمین میں جس طرح ان کے پہلوں کو خلیفہ بنایا۔

۹۔ قرآن مجید میں حکومت کی اطاعت کے بارے میں آتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾[3]

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی تابعداری اختیار کرو اور پیغمبر کی تابعداری اختیار کرو اور جو تم میں حکمران ہیں ان کی بھی۔

سورۃ النساء کی یہ آیت کریمہ اسلامی ریاست و مملکت اور نصب امام (تقرر) پر دال ہے۔ استدلال یہ کیا جاتا ہے اگر اولی الامر قابلِ اطاعت اور اطاعت بھی ان کی واجب قرار دی جاتی ہے۔ تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ مسلمان اپنا سربراہ منتخب کریں اور امیر وسربراہ کا انتخاب اسلامی ریاست و حکومت کے قیام پر دلیل ہے کیونکہ اسلامی نظریہ حکومت میں ریاست و حکومت کا مرکزی وکلیدی منصب امام و خلیفہ ہی ہوتا ہے۔

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ -----﴾[4]

ترجمہ: البتہ تحقیق کھلی نشانیوں کے ساتھ ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا، اور نازل کی ان کے ساتھ کتاب تاکہ لوگوں کے درمیان انصاف قائم کر سکیں۔

یعنی رب العزت نے رسول، کتاب و میزان اس لیے بھیجے ہیں تاکہ انسانیت کے درمیان انصاف قائم کیا جائے اور لوہا نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے حق کی مدد اور نصرت کا کام لیا جائے گویا کہ "الکتاب "ہدایت اور راہنمائی ہے اور تلوار نصرت کا نشان اور ممدو معاون ہے۔

---

(۱) سورۃ الانبیاء:۲۱/۱۰۵

(۲) سورۃ النور:۲۴/۵۵

(۳) سورۃ النساء:۴/۵۹

(۴) سورۃ الحدید:۵۷/۲۵

یعنی قرآن مجید و میزان عدل اسلامی ریاست کا دستور ہیں اور لوہا و اسلحہ مملکت کی قوت کا سامان ہیں۔اور ان سب کا اکٹھ ریاست کے قیام ہی سے ہو سکتا ہے کیونکہ کتاب و میزان تنفیذ کے لیے ہیں اور سیف و سنان نظام عدل کی حفاظت کے لیے ہیں۔

۱۰۔ عبادت الٰہی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اسلام کی بنیاد پر معاشرتی اور ریاستی تنظیم قائم ہو۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُون ﴾(۱)

ترجمہ: پیدا کیا جن و انس کو برائے عبادت۔

عبادت ایک جامع لفظ ہے جس میں اللہ کو محبوب تمام ظاہری و باطنی اقوال و افعال شامل ہیں۔

عبادت اپنے اس وسیع مفہوم میں اسی وقت انجام دی جا سکتی ہے جب کہ انسان اپنی زندگی اور اپنے تمام اقوال و افعال ' تصرفات و معاملات اور انسانوں کے درمیان باہمی رشتوں کو اس طریقہ کے مطابق نبھائے جو شریعت اسلامی نے طے کیا ہے۔

لیکن انسان اپنی زندگی کو اس نہج پر اسی وقت ڈھال سکتا ہے جب کہ معاشرہ (جس میں وہ سانس ، لیتا ہے) تشکیل و تنظیم میں اس طرح ہو کہ اس نہج پر ڈھلنے میں اس کا معاون ہو اس لیے کہ انسان مدنی الطبع واقع ہوا ہے ۔ وہ جس سوسائٹی میں رہتا بستا ہے، اس کے اثرات قبول کرتا ہے اور معاشرہ کے خیر و ہدایت یا شر و ضلالت کی چھاؤں اس پر لازماً پڑتی ہے ۔ حدیث شریف سے بھی اس کی تصدیق ملتی ہے:

((مامِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَي الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِه وَيُنَصِّرَانِه وَيُمَجِّسَانِه--))(۲)

ترجمہ: نہیں پیدا ہوتا کوئی مگر وہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پس والدین اسے یہودی اور عیسائی اور مجوسی کر دیتے ہیں ۔

معلوم ہوا کہ والدین ہی اس کے لیے ایک چھوٹی سوسائٹی ہوتے ہیں اگر وہ گمراہ ہوں تو وہ بچے کو فطرت سلیم سے ہٹا کر ضلالت و گمراہی کی راہ پر لگا دیتے ہیں اور اگر وہ نیک ہوں تو بچے کو صحیح فطرت پر باقی رکھتے ہوئے اس کی تربیت کرتے ہیں۔

---

(۱)سورۃ الذاریات:۵۱/۵۶

(۲)فتوٰی ابنِ تیمیہ،بن باز،دار الشیخ،سعودیہ عربیہ،ص۱۷۲

11۔ قرآن کریم یہ بھی ہمیں بتاتا ہے کہ جس معاشرہ میں کفر وشرک کا فساد غالب ہو وہاں اسلام کے احکام قائم نہیں ہو سکتے اس لیے ایسے معاشرے میں کسی مسلمان کو اطمینان کی سانس نہیں لینا چاہیے بلکہ وہاں سے ہجرت کر جانا چاہیے

﴿ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً ------- ﴾ (۱)

ترجمہ: فرشتوں نے کہا کیا نہ تھی اللہ کی زمین کشادہ پس تم اس زمین میں ہجرت کر لیتے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

"آیت مبارکہ ان سب کے متعلق نازل ہوئی جو کفار کے درمیان فروکش تھے حالانکہ وہ ہجرت کرنے پر قادر تھے لیکن اقامت دین کی سکت نہ رکھتے تھے وہ اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے اور ایک حرام کام کا ارتکاب کر رہے تھے اس پر تمام امت کا اتفاق ہے۔(۲)

کوئی انسان اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزار سکتا ہے، نہ وہ دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو اسلامی خطوط پر استوار اور مربوط کر سکتا ہے۔ جب تک سوسائٹی کی عمارت اسلامی بنیادوں پر نہ اٹھائی گئی ہو جو فرد کو اس نوع کی زندگی گزارنے پر قادر بناتی ہو اور عبادات کی بجا آوری کے لیے صالح ماحول فراہم کرتی ہو۔

اسلامی خطوط معاشرے کی تشکیل و تعمیر فقہ وعظ و نصیحت سے مکمل نہیں ہوسکتی بلکہ اس کے لیے ایک ایسی حکومت درکار ہے جو سوسائٹی پر مطلوبہ چھاپ قائم کرسکے اور جو لوگ اس دینی تشخص کو مٹانا چاہیں اور فساد و تخریب کاری پر تل جائیں اور ان کا قوت و طاقت کے ذریعہ تدارک کرے:

کثیر تعداد میں احادیث مبارکہ ایسی ہیں جن میں واضح انداز میں اس کی تصریحات کا ذکر ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

((أَلا أَيُّهَا النَّاسُ ، لا يَقْبَلُ اللَّهُ صَلاةَ إِمَامٍ حَكَمَ بِغَيْرِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ)) (۳)

ترجمہ: ہاں اے لوگو: جو امام (حکمران)، خدا نے جو قانون اتارا ہے اس کو چھوڑ کر فیصلہ کرتے تو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی)۔

---

(۱) سورۃ النساء: ۴/۹۷

(۲) تفسیر ابن کثیر، اسماعیل بن عمر بن کثیر، دار الھجر، ط۱۹۹۷، ص، ۲۱۱

(۳) مسند عمر بن عبد العزیز، الربیع بن حبیب، مکتبہ الرئیسیہ، بیروت، ص، ۴۷

دیگر کئی احادیث سے ثابت ہے کہ حکومت اور فرمانروائی دینی فریضہ ہے۔ جس کی حسب احکام ایسی ادائیگی پر جزاء اور عدم ادائیگی پر سزا ۔

فرمانِ رسول اللہ ﷺ ہے کہ:

((الْأَمِيرُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ)) (١)

ترجمہ:امیر جس کوعوام پر مقرر کیا گیا ہے وہ مسئول ہے، اس سے رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا امیر وسربراہ ریاست پر بڑی ذمہ داری کا بوجھ ہے۔ اور رعایہ کی ہمہ پہلو فلاح کا جوابدہ ہے۔

انہیں تصریحات کے پیش نظر تمام فقہاء ومفکرین نے دین کی حفاظت، انتظام دنیا کے لیے ریاست ،سلطنت وحکومت کا قیام دینی فریضہ ہے جس کی ادائیگی امت پہ لازم ہے۔

---

(١) ریاض الصالحین، یحیٰ بن اشرف النووی، مترجم حافظ صلاح الدین یوسف، دار السلام لاہور، باب درس المسوئلیت فی الاسلام درس نمبر ۰۴۴

فصل دوم:

اسلامی نظام حکومت کی بنیادی خصوصیات

فصل دوم:

اسلامی نظام حکومت کی بنیادی خصوصیات

پہلی اسلامی ریاست مدینہ منورہ مدینہ کی طرف ہجرت فرمانے کے بعد قائم ہوئی، مدینہ پہنچ کر پیغمبر ﷺ نے اپنی بصیرت اور صلاحیت کی بنیاد پر اہل یثرب جو کہ مختلف العقیدہ اور مختلف النظریہ لوگ تھے کو ایک پیج پر لانے کے لیے حکمت عملی بنائی، جس نے ریاستِ مدینہ داغ بیل ڈلی اور مدینہ کی ریاست کا قیام عمل میں آیا، ریاستِ مدینہ اسلامی نظامِ حکومت کی تشکیل میں بنیادی آئینی اور شرعی حیثیت کی رو سے ایک رول ماڈل کی حیثیت رکھتی ہے۔ .ذیل میں اسلامی نظام حکومت کی خصوصیات کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

اسلام میں حاکمیت اعلیٰ کا تصور

اقتدارِ اعلیٰ اسلامی تعلیمات میں اللہ کی ذاتِ عالی شان کے ساتھ مختص ہے کوئی فرد یا گروہ حاکمیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ وہی قانون ساز ہے کوئی دوسرا قانون سازی کا اختیار نہیں رکھتا نہ ہی اس کے قانون کو بدل سکتا ہے۔ امیر یا خلیفہ وقت کی تابعداری بھی تب ہے اگر وہ اللہ کے قانون کے مطابق حکم دیں۔

اسی تناظر میں تاوقتیکہ دنیا اسلام کے نظام سے استفادہ نہیں کرے گی دنیا میں امن کا قیام ممکن نہیں۔ عالمگیر دین کے تمام اوصاف کا احاطہ صرف اسلام کیے ہوئے ہے۔ (۱)

اطاعت اور عالمگیریت

اس کے متعلق حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ :

"الاكلكم راعٍ وكلكم مسئول عن رعيته "(۲)

ترجمہ: باخبر رہو کہ تم سب رعیت والے ہو تم سب سے تمہاری رعایا سے متعلق سوال ہو گا۔

اس حدیث میں ہر ایک شخص ایک رعایا کا مالک ہے جس طرح ایک گھر کا سربراہ اپنے گھر کا مالک ہے مالک کو اپنی رعایا کا ہر طرح سے جواب دینا ہو گا۔

ریاست و قومیت نہیں بلکہ ملت

اسلامی نظامِ ریاست میں رعایا کا وہ مفہوم مطلق نہیں پایا جاتا۔ جس طرح باقی نظام ہائے حکومتوں میں پایا جاتا ہے جیسے ریاست کی الگ الگ تعریفیں جو کی گئی ہے ان کی روح سے ریاست چار چیزوں پر مشتمل ہے ا۔ آبادی ۲

(ا)تعارف مدنیت، پروفیسر محمد امین جاوید ایم اے، ص ۱۰۹

(۲) صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، ج اول حدیث ۸۹۳

۔علاقہ ۳۔ حکومت ۴۔اقتدارِ اعلیٰ۔ لیکن اسلامی نظام کے لیے کوئی مخصوص علاقہ شرط نہیں اسلامی نظامِ حکومت ریاست کا نہیں ملت کا تصور پیش کرتی ہے جو کہ مخصوص علاقے کی پابند نہیں ہے، اسلامی تعلیمات میں لوگوں کو یہ پیغام ملتا ہے کہ یہ اللہ کی دہرتی ہے اس میں تمام انسان یکساں ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ------﴾(۱)

اے لوگو پیدا کیا ہم نے تم کو مرد اور عورت سے،اور تمہاری قومیں و قبیلے تشکیل دیئے تمہارے تعارف کے لیے، کوئی شک نہیں نزدیک اللہ کے تمہارے میں سے مکرم وہی ہے جو سب سے بڑھ کر اللہ سے ڈرنے والا ہے۔

نیز پیغمبر کے بارے میں بھی صرف اپنے علاقے کے لوگوں کی طرف مبعوث نہیں فرمایا گیا بلکہ آپ ﷺ کو پوری انسانیت کے لیے، قیامت تک آنے والوں کی طرف مبعوث فرمایا گیا ہے۔۔

ارشادِ ربانی ہے کہ:

﴿وَمَا اَرسَلْنٰکَ اِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾(۲)

ترجمہ: سارے انسانوں کی طرف آپ کو بھیجا، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔

اسی طرح دنیا کا مالک و خالق اللہ ربّ العالمین ہے جس کی ربوبیت عام ہے جس میں وطن، مقام، علاقہ نہیں ہے اس کا پیغامِ امن و نجات پوری دنیا کے لیے یکساں ہے اس میں عطن یا علاقے کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ارشادِ نبوی ہے۔

((لَا إِسْلَامَ إِلَّا بِجَمَاعَةٍ، وَلَا جَمَاعَةَ إِلَّا بِإِمَارَةٍ، وَلَا إِمَارَةَ إِلَّا بِطَاعَةٍ))(۳)

ترجمہ: اسلام نہیں بغیر جماعت کے اور جماعت نہیں بغیر امیر کے اور امیر نہیں سوائے اس کے کہ اس کے حکم کو مانا جائے۔

اسلام وحدتِ انسانیت کا درس دیتا ہے، الگ الگ زبانیں، الگ الگ رنگ، الگ الگ نسلیں، الگ الگ علاقے میں رہنے والے مختلف رسم و رواج رکھنے والے، الگ الگ لباس پہننے والے ایک ہی طرح سوچتے ہیں ایک ہی سرچشمہ ہدایت سے ہدایت پاتے ہیں۔

---

(۱) سورۃ الحجرات: ۴۹/ ۱۳

(۲) سورۃ السباء: ۳۴/ ۲۸

(۳) سنن الدارمی، عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی، انصار الامہ پبلیکیشنز، لاہور، پاکستان، باب: ذھاب العلم، حدیث نمبر ۲۵۷

غیر طبقہ دارانہ حکومت :

اسلام صرف تقوے کی بنیاد پر ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر فوقیت دیتا ہے اس کے علاوہ سارے مسلمان برابر ہیں۔ اسلامی ریاست کے خلیفہ یا امیر کے خاندان کی حیثیت زیادہ اہمیت کی حامل نہیں ہوتی۔ امیر کے خاندان کے لوگ عہدوں کا مطالبہ نہیں کر سکتے اسلام میں عہدے صرف قابلیت کی بنا پر دیے جاتے ہیں۔ حضرات شیخین نے اس میں انتہائی احتیاط کا مظاہرہ کیا حضرت عثمان کے ابتدائی در میں اسی پر عمل ہوتا رہا لیکن بعد میں ان کے عزیز واقارب میں حکومتی عہدے حاصل کیے۔ (۱)

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں اقربہ پروری کی بنیاد پر عہدے نہیں دیے گئے۔ (۲)

اخلاقی بنیادیں اور اضافی ذمہ داریاں :

اسلامی ریاست کے مقصود عظیم مقاصد ہوتے ہیں۔

۱۔ صلٰوۃ وزکوٰۃ کو قائم کرنا۔

۲۔ مملکت میں انصاف کا بول کر کے ناانصافی کا خاتمہ کیا جائے۔

۳۔ قبیح وناپسندیدہ کاموں کی بیخ کنی کی جائے جب کہ اچھائی پر مشتمل امور کو فروغ دیا جائے۔

۴۔ جدوجہد کی جائے کہ تمام ان قوانین کا خاتمہ ہو سکے جس سے مملکت کا معاشرہ فلاحی معاشرہ نہ بن پا رہا ہو اس جدوجہد کے مقاصد یہ ہوں کہ بہترین نظام حکومت قائم اور رائج کیا جائے جو حقیقت میں انسانیت کی فلاح اس کی معاشرتی ومعاشی ترقی کا باعث بن سکے۔ (۳)

عدلیہ کا سب پر بالا ہونا

عدلیہ کی آزادی اور آزاد عدلیہ کے نعروں سے پروگرامات کو زینت بخشی جاتی ہے لیکن حقیقت میں عدلیہ کو بالادست اور سب سے اوپر ماننا اور پھر اپنے عمل سے اس کو ثابت بھی کرنا یہ مشکل امر ہے، اسلام میں عدلیہ کو اعلیٰ مقام حاصل ہوا، اسلام حاکمیتِ اعلیٰ مقدس ذات اللہ رب العزت کو مانا جاتا ہے، جس کی بناء پر اللہ ہی قانون اور حکم ہے اللہ رب العزت کے فرمان ہی قانون ہیں اور جو کچھ اللہ نے فرما دیا وہ اٹل ہے، کوئی شخص یا اشخاص مل کر بھی اس میں ردوبدل نہیں کر سکتے جب کہ دوسرے نظاموں میں قانون کو گھر کی لونڈی سمجھا جاتا ہے یا موم کی ناک جس کو جدھر چاہا موڑ دیا۔

---

(۱) تاریخ طبری، ابن جریر طبری (مترجم، سید محمد ابراہیم ایم۔اے ندوی): دارالاشاعت کراچی، ۲۰۰۳ء، ۱/ ۴۳۴

(۲) ایضاً

(۳) تعارف مدنیت، ص ۱۱۵

جب کہ اسلامی نظام میں عدلیہ صرف سربراہ مملکت کو طلب ہی نہیں بلا جھجک سربراہِ مملکت کے بر خلاف فیصلہ دے سکتی ہے، غور طلب بات ہے کہ اگر اسلام سربراہِ مملکت کو استثناء نہیں دیتا تو عام رعایا کو کیسے استثناء دے سکتا ہے۔

اسلام میں اظہارِ رائے کی آزادی

اسلام رائے کی آزادی دیتا ہے مگر رائے اسلامی تعلیمات کے تابع ہو۔ خلفائے راشدین کے ادوار میں مسلمانوں کو رائے کی آزادی حاصل تھی اور وہ حکومت پر اعتراض کرنا اپنا دینی فریضہ سمجھتے تھے۔ خلفائے راشدین خود بھی تنقید کرنے والے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کرتے۔ جیسا کہ خلیفہ اول صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اپنے پہلے خطبہ میں یوں فرمایا تھا میں تم ہی جیسا ایک بندہ ہوں تم سے بڑھکر نہیں، اچھائی میں میری نصرت اور اگر غلطی ہو جائے تو میری اصلاح کرو۔ اسی طرح فاروقِ اعظم نے اپنے پہلے خطبہ میں فرمایا کہ "میرا پسندیدہ آدمی وہ ہوگا جو مجھے میرے عیبوں و کمزوریوں سے مطلع کرے گا۔" (۱)

ایک دفعہ آپ تقریر میں ہدایت دے رہے تھے کہ نکاح کے وقت مہر زیادہ نہ رکھے جائیں بلکہ مہر زیادہ سے زیادہ چار سو درہم تک رکھنا چاہیے۔"

یہ بات خواتین کے حقوق سے متعلق تھا۔ ایک خاتون اُٹھی اور کہا" آپ کیسے یہ حکم دے سکتے ہیں جبکہ اللہ ربّ العزت نے فرمایا ہے کہ:

﴿وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا﴾ (۲)

ترجمہ: اگر چہ تم دے چکے ہوئے ہو عورتوں میں سے کسی ایک کو خزانہ بھر بھی (بطورِ حق مہر)۔

یہ بات سنی تھی کہ فاروقِ اعظم تڑپ اٹھے جس پر اللہ سے معافی طلب کی، کہ میں کیا ہوں ہر آدمی عمر سے بڑھکر فقہ کو سمجھتا ہے، اس کے بعد علی الاعلان منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں سے کہا کہ میں اپنی بات واپس لیتا ہوں جو جتنا چاہے مہر مقرر کرے اور دے۔ (۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قمیض والا واقعہ نہایت مشہور ہے جب ان پر ایک شخص نے اعتراز کیا کہ مالِ غنیمت سے ایک ایک چادر سب کو ملی تھی اس سے آپ کی قمیض کیسے بنی تب ہم آپ کی بات سنیں گے جب آپ اس جواب دیں گے۔ اگر دیکھا جائے تو یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بیت المال سے خیانت کرنے کا الزام تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے

---

(۱) طبقاتِ ابن سعد، ۳ / ۲۷۴

(۲) سورۃ النساء: ۴ / ۲۰

(۳) طبقات ابن سعد، : ۳ / ۲۷۵

کو اشارہ کیا انہوں نے سب کے سامنے کہا کہ میں نے اپنے حصے کی چادر ان کو دے دی تھی جس سے یہ قمیض بنی جس پر وہ شخص اٹھا اور کہا اب فرمائیں۔ (۱)

اسی طرح عبادہ صامت کی اہلیہ خولہ بنت حکیم کا مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بازار کا چکر لگا رہے تھے کہ ایک بڑھیا آئی اور تند و تیز لہجے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوئی کہ اے عمر میں تمہیں اس وقت سے جانتی ہوں جب تم عمیر کے نام سے جانے جاتے تھے اور نوجوان لڑکوں کے ساتھ عکاظ کے میلہ میں کشتی لڑتے تھے پھر دیکھتے دیکھتے تم عمر بن گئے اب امیر المؤمنین کہلاتے ہو رعایا کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ (۲)

آزادی اظہار رائے کی اس طرح ہزاروں مثالیں تاریخ اسلام میں ملتی ہیں۔

انسان کی غلامی سے نجات

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران والوں کو خط لکھا تھا، جس میں مندرجہ ذیل الفاظ غور طلب ہیں۔

((من محمّد النبی رسول اللہ الی اسقف نجرانفانی احمد الیکم اِلٰہِ ابراھیم واسحٰق ویعقوب، امّا بعد فانی ادعوکم الی عبادۃ اللہ من عبادۃِ العبادِ الخ)) (۳)

ترجمہ: محمد نبی اللہ کے رسول کی جانب سے نجرانی سربراہ کی طرف ہے میں حمد بیان کرتا ہوں حضرت ابراہیم علیہ السلام، اسحٰق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کے الٰہ کی اما بعد پس بے شک میں تم کو دعوت دیتا ہوں اللہ کی عبادت کی طرف، تاکہ بندوں کی بندگی سے ہٹا کر بندوں کے رب کی بندگی میں لے جاؤں۔

یعنی لوگوں کی بندگی سے نکل کر اللہ کی بندگی میں آجاؤ اس وقت کمزور طاقتور کی غلامی میں رہتے ہوئے اپنے آقاؤں کی ہر بات ماننے پر مجبور ہوتے تھے، اور پھر آقا کی تابعداری تو تھی ہی تھی ساتھ آقا کے معبودوں کی بندگی بھی کرنی پڑتی تھی اسی سے بچانے کے لیے حضور نے فرمایا کہ میں تمہیں بندوں کی پوجا سے نکالنے کے لیے اور بندوں کے رب کی بندگی میں داخل ہونے کی دعوت دیتا ہوں۔

ما قبل اسلام کے انسان غلام کے تصور سے آشنا ہوا، طاقتور کمزور کو اپنی طاقت کے زور پر اپنا غلام بنالیتا اسلام نے آکر انسان کو غلام بنانے کی ممانعت فرمائی۔

---

(۱) طبقات ابن سعد، ۳/۲۷۵

(۲) طبقات ابن سعد، ۳/۲۶۵

(۳) البدایۃ والنہایۃ، حافظ عماد الدین ابن کثیر، دار الفکر، ۱۹۷۸، بیروت، ۵/۵۳

تجزیہ

اسلامی نظام حکومت کی بنیادی خصوصیات واضح ہیں جو اسلامی مملکت کو دوسری مملکتوں اور ریاستوں سے ممتاز کرتی ہے مملکت کے امور سرانجام دینے کے لیے ان بنیادی خصوصیات کو بروئے کار لاکر مثالی مملکت کا قیام عمل میں لایا جاسکتا ہے۔

فصل سوم:
جمہوری نظام حکومت کا تعارف

فصل سوم:

جمہوری نظامِ حکومت کا تعارف

شروع دن سے بنی نوع انسان اپنے آپ کو تنظیم کے تحت لانے کی کوشش میں مصروف ہے۔ تاریخ عالم کے روزِ اول سے یہ کوشش مختلف النوع رنگوں اور صورتوں میں جلوہ گر ہوتی رہی ہے۔ مذہبی نظام، عمرانی نظام اور سیاسی نظام اسی کوشش کے مختلف حصے ہیں۔ مذہب کا رخ سامنے آیا تو لوگوں نے بتوں کی پوجا کی، مظاہر قدرت کی پرستش کی، حیوانات اور نباتات کی عبادت کی، پیغمبروں پر ایمان لائے اور اَن دیکھے خدا پر اعتقاد استوار کیا۔ معاشرت کا رخ سامنے آیا تو چھوٹی چھوٹی بستیوں سے عظیم الشان تہذیبوں نے جنم لیا اور وسیع و ہمہ گیر معاشرے سامنے آئے اور جب سیاست کا رخ سامنے آیا تو سربراہی، سرداری، حکمرانی، بادشاہت اور شہنشاہیت کے روپ سامنے آئے۔

آج علوم کی فراوانی ہے اور معلومات کی بہتات۔ بہت سی آسانیاں پیدا ہو چکی ہیں لیکن جوں جوں یہ آسانیاں پیدا ہوتی جارہی ہیں، انسان کی زندگی اتنی ہی پیچیدہ اور کٹھن ہوتی جارہی ہے۔ معاشرے پھیل رہے ہیں، ملک بڑھ رہے ہیں، آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے اور جوں جوں یہ سب ہو رہا ہے، خود کو منظم کرنے اور انسانی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرنے والے نظامِ حکومت کے تحت لانے کی ضرورت بڑھتی جارہی ہے اور جوں جوں اس ضرورت کی شدت میں اضافہ ہو رہا ہے توں توں انسان اپنی تخلیق کردہ قیاس آرائیوں، خود ساختہ نظریوں اور خود تشکیل کردہ مفروضوں کی دھند میں بھٹک میں منزلِ حقیقی سے دور ہوتا جارہا ہے۔

جمہوری نظامِ حکومت سے بیان کرنے سے پہلے دنیا میں آج تک رائج ہونے والے تمام نظام ہائے حکومت کا مطالعہ اور تجزیہ کیا جاتا ہے اور موجودہ نظاموں کو بہتر اور ہمہ گیر کیا جاتا ہے۔ اصطلاح میں اسے سیاسیات (Political Science) کہا جاتا ہے۔

سیاسیات ایک ایسا تعلیمی نظام ہے جس کے تحت نظامِ حکومت کا مربوط مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یہ مضمون سیاسی حکومتوں کی اصل، ان کی ساخت، طریق ہائے عمل اور اداروں کا احاطہ کرتا ہے۔ ان طریق ہائے کار کا جائزہ لیتا ہے جن کے تحت حکومتیں اپنی سیاسی سماجی مشکلات کا ادراک کرتے ہوئے ان کا حل نکال لیتی ہیں، ان افراد اور گروہوں کے ربط باہمی کا تجزیہ ضروری ہے جو حکومتوں کو تشکیل دیتے ہیں، انہیں برقرار رکھتے ہیں اور انہیں بدلتے ہیں۔ [1]

---

(۱) جمہوریت کیا ہے، ص ۱۲۵

ایک انفرادی علم کی حیثیت سے سیاسیات کا آغاز ۱۹ویں صدی کے اواخر میں ہوا۔ اس دور میں سامنے آنے والی ماہرین سیاسیات کی نسل کے مباحث کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ نظام ہائے حکومت کی حقیقی تفہیم حقیقی سیاسی عمل کے مطالعے سے ہی حاصل ہوتی ہے، ضروری ہے کہ اس مطالعے کے نہایت احتیاط اور غور و خوض سے ترتیب دیئے گئے طریقوں کو بروئے کار لایا جائے۔ بہت سے ماہرین یہ سوچ رکھتے تھے کہ اگر وہ توضیحی نظریات کو تشکیل دینے میں کامیاب ہو جائیں تو سیاست اور حکومت کا مطالعہ لیبارٹری سائنس کی طرح ایک ترقی یافتہ سائنسی کاوش بن سکتی ہے، دانشوروں نے عمرانیات اور نفسیات کے ماہروں کے ساتھ مل کر کام کرنا شروع کیا۔ ماہرین عمرانیات سے انہوں نے عوام کے سیاسی رویوں کی تجمیع اور تجزیئے کے لیے اعداد و شمار اکٹھے کرنے کے طریقے حاصل کئے۔ ماہرین نفسیات سے انہوں نے مختلف تعریفات، تجاویز اور تصورات وصول کئے تاکہ مختلف انسانی رویوں کی تفہیم حاصل کی جاسکے۔ ان سب عوامل نے مل کر سیاسیات کو وہ رنگ وروپ عطا کی جو آج ہمارے سامنے ہے۔ بعض ماہرین سیاسیات انسانی سرگرمیوں کے ہمہ گیر نمونے تیار کرنے میں کامیابی حاصل کر چکے ہیں جن سے نوعِ انسانی کے سیاسی رویئوں کو سمجھنا اور بھی آسان ہو گیا ہے۔ جدید ٹیکنالوجی خصوصاً کمپیوٹر کے ظہور کے بعد ان کا کام پہلے سے کہیں زیادہ تیز رفتار اور بہتر ہو گیا ہے۔ حکومتی اور عوامی پالیسیوں کا تجزیہ جسے پہلے سیاسیات کا ایک حصہ تصور کیا جاتا تھا، اب ایک علیحدہ علم بن چکا ہے اس سے اب عوامی مسائل کے حل تلاش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ غرضیکہ ڈھائی ہزار سال پہلے منصۂ شہود پر آنے والے اس علم نے آج میدانِ سیاست و حکومت کے ہر شعبے کا احاطہ کر لیا ہے اب مزید بہتری کی جانب گامزن ہے۔ (۱)

جدید جمہوریہ کی مرکزی خصوصیات میں شخصی آزادی کو نمایاں اہمیت حاصل ہے جس کے تحت ریاست کے شہریوں کو اپنی زندگی خود بنانے اور اپنے معاملات کو آئین و قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے سلجھانے کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے، مکمل آزادی، قانون میں سب کی برابری، سب کے لیے تعلیم اور سب کے لیے حق رائے دہی جدید جمہوریہ کی اہم خصوصیات میں شامل ہیں۔

موجودہ دور میں چند گنی چنی مثالوں کے علاوہ، دنیا کے تقریباً ہر آزاد ملک میں طرزِ حکومت کے طور پر جمہوریت ہی رائج ہوئی۔ ایسے ممالک جہاں کی حکومتیں عملاً جمہوریت پر کاربند نہیں، حکومتی ذرائع کی طرف سے نظامِ حکومت کے طور پر جمہوریت کا نام ہی لیا جاتا ہے۔ اگرچہ جمہوریت کے متعلق وسیع پیمانے پر پھیلے ہوئے تصورات کم و بیش ایک سے ہی ہیں لیکن عمل اور نتائج کے اعتبار سے اس کی شکلیں مختلف جگہوں پر مختلف ہیں۔ آج کے دور میں کوئی بھی ریاست، خواہ وہاں یک جماعتی نظام رائج ہو یا کثیر جماعتی، کمیونزم کا دور دورہ ہو یا آمریت کا، ظاہراً جمہوریت کا

---

(۱) فرانس کا انقلاب، ڈاکٹر منظور خراسانی، ۲۰۰۳ تھران، ایران ص: ۹۲

لبادہ ہی اوڑھے ہوئے نظر آتی ہے۔ انیسویں صدی کے بعد سے اس نظامِ حکومت کو جو قبولِ عام حاصل ہوا ہے، اس کی مثال دورِ جدید میں اور کہیں نظر نہیں آتی۔ (۱)

یہ جمہوریت کا مختصر ترین عمومی تعارف تھا۔ عموم سے گریز کرتے ہوئے تخصیص کی سطح پر اتر کر جائزہ لیا جائے تو ہمیں جمہوریت کی بہت سی ترقی یافتہ، پسماندہ، سنوری ہوئی اور بگڑی ہوئی شکلیں مختلف ناموں سے ملتی ہیں ۔ آج تک دانشورانِ عالم جمہوریت کسی جامع اور مفصل تشریح پر متفق نہیں ہو سکے۔ مختلف طبقہ ہائے فکر جمہوریت کے متعلق اپنی آراء، اپنے خدشات اور اپنے تحفظات رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر مشہور یونانی فلسفی افلاطون اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''جمہوریہ'' میں جمہوریت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''جمہوریت ایک پُرکشش طرزِ حکمرانی ہے جو رنگارنگی اور انتشار سے مملو ہے اور مساوی اور عدم مساوی، دونوں کو ایک طرح کی مساوات فراہم کرتا ہے۔''

آگے چل کر وہ کہتے ہیں کہ

''تب جمہوریت کی چند خصوصیات یہ ہوں گی... یہ ممکنہ طور پر ایک قابل قبول، لاقانون، رنگارنگ دولت مشترکہ ہوگی، جو سب سے مساوی سلوک کرے گی بے شک وہ مساوی ہوں یا نہ ہوں۔''(۲)

مذکورہ بالا تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''جمہوریت بتدریج آمریت سے بدل جاتی ہے۔''

اس کے برعکس ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے ۳۹ویں صدر جمی کارٹر نے ۲ جون ۱۹۷۸ء کے روز بھارتی پارلیمنٹ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا:

''جمہوریت، بجائے خود زندگی کے تجربے کی طرح کا ایک تجربہ ہے۔ ہمیشہ بدلتی ہوئی، لامتناہی رنگ لیے، بعض اوقات شور انگیز اور نہایت قابل قدر کیونکہ یہ دشواریوں کی آزمودہ ہے۔''

روسی انقلاب کا بانی ولادیمیر اِلیچ لینن اپنی کتاب ''جمہوریت اور ریاست'' میں جمہوری ریاست کے متعلق تحریر کیا:

''جمہوری ریاست ایک ایسی ریاست ہوتی ہے جہاں اقلیت کا اکثریت کے تابع ہونا تسلیم کیا جاتا ہے۔'' (۳)

---

(۱) جمہوریت کیا ہے، ص ۱۳۴

(۲) جمہوریہ، افلاطون، مترجم ابو نصر، دار الفکر، ۱۹۷۶ بیروت ص: ۲۶۲

(۳) جمہوریت اور ریاست، ولادیمیر اِلیچ لینن، مترجم ایس اے حمید، مکتبہ العرفان، ۲۰۰۱، کراچی ص: ۲۶۹

گویا جمہوریت پسند جسے اپنی خوبی تصور کرتے ہیں، لینن کی نگاہ میں وہ ایک عیب ہے اور وہ جمہوریت میں اکثریت کی رائے کو اقلیت کی رائے پر فوقیت دینے کی انسانی انفرادیت اور رائے کی آزادی پر قدغن تصور کرتا ہے۔

جمہوری عمل کے متعلق برطانوی مذہبی قائد ولیم رالف انگ ایک جگہ کہتے ہیں:

''جمہوریت، محض ایک تجرباتی طرزِ حکومت ہے کہ اس کے اندر آراء کو تولنے کے ان کو گنا جاتا ہے۔'' (۱)

اس سے کچھ عرصہ قبل شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے ان الفاظ میں کیا تھا:

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے (۲)

اسی طرح لارڈ کلیمنٹ ایٹلی نے ۱۴ جون ۱۹۵۷ء کو اوکسفورڈ میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

''جمہوریت کے معنی ہیں حکومت بذریعہ گفت وشنید، لیکن یہ جب کامیاب ہو گی جب اگر آپ لوگوں کو بولنے سے روک سکیں۔''(۳)

یہ نظام کس حد تک کامیاب یا ناکام ہوا، اور اس کی نوعیت جمہوری تھی یا آمرانہ، یہ ایک الگ عنوان ہے بظاہر یہ نظام بھی لبادہ جمہوریت کا ہی اوڑھے ہوا تھا۔ سابق روسی صدر میخائل گورباچوف کہتے ہیں:

''جمہوریت صحت افزاء اور خالص ہوا ہے جس کے بغیر کوئی اشتراکی عوامی تنظیم ایک خالص زندگی نہیں گزار سکتی۔''(۴)

گورباچوف کے اپنے افعال اگرچہ ان کے اقوال پر دلالت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن یہ بھی سوچا جا سکتا ہے کہ اگر کئی عشروں پر محیط سرد جنگ، دنیا بھر میں کمیونسٹ تحاریک اور کمیونسٹ حکومتوں کی خفیہ امداد اور اونٹ کی کمر پر آخری تنکا ثابت ہونے والی افغان سوویت جنگ نے اگر روسی معیشت کو منہدم نہ کر دیا ہوتا تو کیا گورباچوف وہ تمام اقدامات کرتے جن کی بناء پر انہیں ۱۹۹۰ء کا نوبل امن انعام ملا، سوویت یونین تحلیل ہوا، کئی آزاد نئی ریاستیں وجود میں آئیں، افغانستان کو (چاہے ایک مختصر سے عرصے کے لیے ہی سہی) آزادی نصیب ہوئی اور سرد جنگ کا خاتمہ ہوا؟ اس سوال کا جواب دینے کے لیے بڑے ٹھنڈے دل سے غور و فکر کرنے اور ان تمام پالیسیوں کا گہرا جائزہ لینے کی ضرورت ہے جو متحدہ سوویت یونین نے اپنے عروج کے ایام میں اپنائے رکھیں۔

---

(۱) جمہوریت، ولیم رالف انگ، ناشر ارنسٹ بین، لندن، ۱۹۲۶ء، مترجم اقبال اکیڈمی، لاہور ص: ۹۳

(۲) بانگ درا، علامہ محمد اقبال، جمہوریت، حصہ سوم، ۱۹۰۸ء

(۳) آکسفورڈ میگزین، تقریر لارڈ کلیمنٹ ایٹلی سابق برطانوی وزیر اعظم ۱۴ جون ۱۹۵۷ء، انگلینڈ

(۴) یو ایس ایس آر کی کمیونسٹ پارٹی کی ۲۷ ویں پارٹی کانگریس کے نام رپورٹ، سابق روسی صدر میخائل گورباچوف

جنوبی افریقہ کے نجات دہندہ نیلسن منڈیلا کہتے ہیں:

اپنی رہائی کے بعد سے میرے اس یقین میں بتدریج پختگی آئی ہے کہ ہمارے ملک کے عام مرد اور عورتیں حقیقی معنوں میں تاریخ کے بنانے والے ہیں۔ مستقبل کے متعلق ہر فیصلے میں ان کی شمولیت حقیقی جمہوریت اور آزادی کی واحد ضمانت ہے۔" (۱)

یہ ان لوگوں کے بیان ہیں جنہوں نے اپنی زندگی ایسی حکومتوں کے خلاف جدوجہد کرتے ہوئے گزاری ہے جو غیر جمہوری ہوتے ہوئے بھی جمہوریت کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھیں اور ان کی جنگ آج بھی جاری ہے۔

جمہوریت کو کامیاب بنانے کی خاطر اس کے اوصافِ حمیدہ و غیر حمیدہ کو شک کی نگاہ سے دیکھنے کے بجائے صبر و تحمل سے ان کا تجزیہ کیا جائے۔ شاید امریکیوں نے یہ سبق دنیا کی دیگر جمہوری حکومتوں سے بہت پہلے سیکھ لیا تھا اور شاید اسی لیے وہاں کے قائدین میں جمہوریت پر اعتماد دوسروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ مضبوط اور گہرا نظر آتا ہے۔ عظیم امریکی صدر ابراہام لنکن کی تشریحات و آراء اس ضمن میں نہایت قابل قدر حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کے الفاظ اگرچہ ملمع کاری سے پاک اور سادگی سے مملو ہیں لیکن ان کی دیانت اور خلوص پہلی نگاہ میں ہی پڑھنے والے کے دل پر ایک گہرا اثر چھوڑتے ہیں اور جن لوگوں نے خود اس عظیم ہستی کے منہ سے ان الفاظ کو سنا ہوگا اور جن لوگوں نے اسے اپنا مثالیہ بنا کر اس کے اقوال کو مشعل راہ بنایا ہوگا، ان کے قلب و ذہن پر ان کے کتنے گہرے اثرات مرتب ہوئے ہوں گے۔ اپنے پہلے ہی خطبہ صدارت میں انہوں نے واشگاف الفاظ میں یہ واضح کر دیا:

"یہ ملک اپنے اداروں سمیت ان عوام کی ملکیت ہے جو اس میں بستے ہیں۔ جب کبھی وہ موجودہ حکومت سے تنگ آ جائیں تو وہ اسے تبدیل کرنے کے لیے اپنا آئینی اختیار استعمال کر سکتے ہیں یا اسے توڑنے یا گرانے کے لیے اپنا انقلابی اختیار استعمال کر سکتے ہیں۔"(۲)

ایک تقریر کے دوران جمہوریت کے متعلق اپنا تصور بیان کرتے ہوئے کہا کہ:

میں پسند نہیں کرتا کہ کسی کا غلام بنوں، اس لیے میں کسی کا آقا بھی نہیں بنوں گا۔ یہ میرا تصورِ جمہوریت ہے۔(۳)

اور پھر سب سے مختصر اور سب سے موثر یہ الفاظ:

"ووٹ، گولی سے زیادہ طاقتور ہے۔"(۴)

---

(۱) جدوجہد میری زندگی ہے، نیلسن منڈیلا، جنوبی افریقہ، مترجم ایم اے جاوید، مکتبہ رشیدیہ کراچی، ص:۷۳

(۲) پہلا خطبہ صدارت، امریکی صدر ابراہام لنکن، ۴مارچ ۱۸۶۱ء

(۳) تقاریر کا مجموعہ، امریکی صدر ابراہام لنکن، ۱۶ اکتوبر ۱۸۵۴ء

(۴) تقاریر کا مجموعہ، ۱۹ مئی ۱۸۵۶ء

لنکن کے نقش قدم پر چلتے ہوئے امریکہ کے ۳۶ویں صدر لنڈن بی جانسن نے ۶ اگست ۱۹۶۵ء کو اپنی ایک تقریر میں کہا:

ناانصافی کو ختم کرنے اور ان مہیب دیواروں کو، جو انسانوں کو صرف اس لیے مقید رکھتی ہیں کہ وہ دوسرے انسانوں سے مختلف ہیں، منہدم کرنے کے لیے انسان نے جو سب سے طاقتور ہتھیار آج تک ایجاد کیا ہے، وہ ووٹ ہے۔"

بات محض طبقہ سیاست کے عمائدین تک محدود نہیں رہتی، بلکہ نظامِ حکومت کے دیگر اہم شعبوں میں بھی ہمیں اس کا اثر نظر آتا ہے مشہور امریکی ماہر دینیات کہتے ہیں:

"انسان میں پائی جانے والی منصفی کی اہلیت کی بدولت جمہوریت کا ظہور ممکن ہے لیکن انسان میں پائے جانے والے ناانصافی کی رجحان کی وجہ سے جمہوریت کا قیام ازبس ضروری ہے۔" (۱)

یہ فرض نہیں کیا جانا چاہئے کہ امریکہ میں جمہوری روایات کی یہ پاسداری اور جمہوریت پر یہ اعتماد ہمیشہ سے موجود رہا ہے۔ ابتداًوہاں بھی جمہوریت کے متعلق تحفظات موجود تھے۔

غالباً جمہوریت پر اعتراض کرنے والوں کے سب سے بڑے اعتراض یہی ہیں کہ جمہوریت میں شخصی انفرادیت کا احترام اس پیمانے پر نہیں کیا جاتا جس پیمانے پر کیا جانا چاہئے اور یہ کہ جمہوریت میں ووٹ دینے والوں کے عقلی معیار کو مدنگاہ رکھنے کے بجائے ووٹوں کی گنتی کو کامیابی وناکامی یا قبولیت وعدم قبولیت کا معیار بنایا جاتا ہے جو نہ صرف یہ کہ غلط ہے بلکہ بعض صورتوں میں صریحاًناانصافی بھی ہے۔

میں ان اعتراضات سے خاصی حد تک اتفاق کرتا ہوں لیکن میرے لیے جمہوریت کے مثبت پہلو اجاگر کرنے والوں کی آراء بھی قابل احترام ہیں لیکن سیدھے کسی ایک کا انتخاب کرلینا میرے نزدیک دانشمندی کی علامت نہ ہوگا۔ اس موضوع پر کوئی رائے دینے سے بہتر یہ ہوگا کہ ہم جمہوری حکومتوں کا مطالعہ کریں، تاریخ کی روشنی میں ان کی کارکردگی کا تجزیہ کریں اور اس کے بعد اپنے عقل وشعور کی روشنی میں فیصلہ کریں کہ جمہوریت کہاں کامیاب نظر آتی ہے اور کہاں ناکام؟ اس کی ناکامی کی وجوہات اور کامیابی کے اسباب کیا ہیں۔ اس باب میں کوئی حتمی فیصلہ کرنے کا اس سے بہتر طریقہ اور کوئی نہیں۔

---

(۱)اولادِ نور واولادِ ظلمت، رینولڈ نیبور، مترجم طیب زیدی، مکتبہ دار الجمیل، لاہور، ص:۷۶

فصل چہارم:
جمہوری نظام حکومت کے بنیادی نظریات

فصل چہارم:

جمہوری نظامِ حکومت کے بنیادی نظریات

جمہوریت کا موجودہ دورانیہ فرانس کے انقلاب ۱۷۷۹ء سے شروع ہوا۔ جب انقلاب فرانس کا دستور شائع کیا تھا۔ جس نے تاریخ میں اوّلین فرمانِ حریت کا لقب پایا۔ فرانسیسی مشہور مؤرخ حال (Ch.Seignobos) نے اپنی کتاب تاریخ انقلاب میں اس کو مختصر طور پر پانچ شکوں میں پیش کیا ہے[1] :

۱۔ شخصیتی حکم کا خاتمہ

یعنی حقِ ارادہ ایک شخص میں نہ ہو بلکہ مملکت کے لوگ اس میں شامل ہوں یا کچھ خاص خاندانوں کے پاس حکم اور قانون نہ ہو بلکہ ملکی رعایا اس میں برابر کی حصہ دار ہو جن کی رائے اور ووٹ سے ملک کا سربراہ مقرر ہو اور یہی لوگ سربراہِ مملکت کو اقتدار سے الگ کرنے کا اختیار رکھتے ہوں۔

۲۔ سب کے لیے برابری

کئی قسمیں ہیں :

جنسی برابری، خاندانی برابری ، مالی برادری (حقِ ملکیت) قانون پہ برابری، شہریت میں برابری وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام کی بناپر بھی پریزیڈنٹ کو تمام باشندگان پر اسے فوقیت و ترجیح حاصل نہ ہو۔

۳۔ مملکتی دولت ملک کی ملکیت ہو:

مملکت کی ملکیت ہو۔ اس پر پریزنڈنٹ کو اس پر کوئی شخصی اختیار نہ ہو۔

۴۔ بنیادِ مملکت "مشورہ" ہو

مطلب یہ کہ حکم کی طاقت ایک شخصی آزاد کو نہ ہو بلکہ مشورے سے بات طے کر کے اس کا حکم دیا جائے

۵۔ آزادی اظہار رائے۔

اس کا مطلب یہ ہے میڈیا آزاد ہو لوگوں کی رائے کو دبایا نہ جائے اور لوگوں کی سوچ و فکر پر قدغن نہ لگائی جائے ۔ جیسا کہ ذکر ہوا، ڈیموکریسی یعنی جمہوریت دو یونانی الفاظ کا مرکب ہے جن کا مجموعی مفہوم ہے، عوام کی حکومت، یعنی جمہوریہ میں عوام کو مقننہ اور حکومت پر بالادستی حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ اس حوالے سے قائم ہونے والی جمہوری حکومت میں چند لطیف سے فرق بغور جائزہ لینے سے نظر آجاتے ہیں لیکن بعض اصول اور اوصاف تمام

---

(۱) انقلاب فرانس، ص:۱۲

حقیقی جمہوری حکومتوں میں مشترک نظر آتے ہیں، اور انہیں دیگر نظام ہائے حکومت سے ممیز کرتے ہیں۔ یہ اوصاف اور اصول حسب ذیل ہیں:

☆ جمہوریہ جو تمام شہری اختیارات اوران کا استعمال، مدنی فرائض کی ادائیگی میں، براہِ راست یا آزادانہ طریق انتخاب سے چنے گئے اپنے نمائندوں کے ذریعے برابر کا حصہ لیتے ہیں۔

☆ جمہوریہ ایسے اصولوں اور ضابطوں پر استوار ہوتی ہے جو انسانی آزادی کا نہ صرف تحفظ کرتے ہیں بلکہ اسے ایک پختہ روایت کی شکل دے دیتے ہیں۔

☆ جمہوریہ کی بنیاد اکثریت کی حکمرانی کے اصول پر رکھی جاتی ہے، جب کہ اقلیت اور فرد کے حقوق کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا جاتا ہے۔ ہر جمہوری حکومت جہاں اکثریت کی رائے کا احترام کرتی ہے، وہیں پورے جوش و خروس سے افراد اور اقلیتوں کے بنیادی حقوق کا تحفظ بھی کرتی ہے۔

☆ جمہوریہ میں ایک فردِ واحد یا ادارے کو تمام اختیارات اور اقتدار کا مرکز بننے کی اجازت نہیں دی جاتی بلکہ علاقائی اور مقامی سطحوں پر اقتدار کی تقسیم سے اقتدار کی مرکزیت ختم کر دی جاتی ہے، ذیلی سطح پر استوار ہونے والی ایسی حکومتیں عوامی مسائل کے حل میں فعال ہونے کے ساتھ ساتھ ہر ممکن حد تک عوام کی آسان رسائی میں بھی ہوں۔

☆ جمہوری حکومتوں میں آزادیِ تقریر اور آزادیِ مذہب جیسے بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ، ہر ایک کو مساوی قانونی تحفظ کی فراہمی، اور معاشرے کی سیاسی، معاشی اور ثقافتی زندگی میں سب کو پورا پورا حصہ لینے اور اپنا کردار ادا کرنے کے مواقع فراہم ہوتے ہیں۔

☆ جمہوری حکومتوں میں آزادانہ و منصفانہ انتخابات کا انعقاد باقاعدگی سے ہوتا ہے، جس میں رنگ و نسل کے امتیاز کے بغیر ملک کا ہر شہری پوری آزادی سے حصہ لیتا ہے۔ جمہوری حکومت کے انتخابات شخصی آمریت کے علمبرداروں کی طرف سے منعقد کرائے جانے والے انتخابات کی طرح اپنی غیر منصفانہ و غیر قانونی حکومت کو قانونی جواز فراہم کرنے کا بہانہ نہیں ہوتے، بلکہ عوام کی حمایت حاصل کرنے کی صحت مندانہ اور مستند مسابقت ہوتے ہیں۔

☆ جمہوری حکومت اپنے بنائے ہوئے قانون کی پابندی سب سے پہلے خود بجالاتی ہے ، اور پوری رعایا کے بنیادی حقوق کو قانونی طور پر بھی مساوی بنیادوں پر تحفظ دیتی ہیں اور ان کو ان کے بنیادی حقوق میسر کرتی ہے۔

☆ جمہوری حکومتوں میں تنوع کو بنیادی عنصر کی حیثیت حاصل ہوتی ہے کیونکہ ہر جمہوری حکومت اپنے ملک کی منفرد سیاسی، سماجی اور ثقافتی زندگی کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ جمہوری حکومت کو بے لچک اور جمود کے شکار ضابطوں کے بجائے بنیادی اصولوں پر ایستادہ کیا جاتا ہے جو سادہ ہونے کے سبب نہایت وسیع تناظر کے حامل ہوتے ہیں۔

☆ جمہوریہ کے شہری کی کہانی صرف حقوق کے حصول پر ہی ختم نہیں ہوتی بلکہ اس پر فرائض بھی عائد کئے جاتے ہیں، اور اس کا سب سے اہم فریضہ سیاسی نظام میں حصہ لینا ہے جو آگے چل کر اس کے حقوق اور آزادیوں کا تحفظ کرتا ہے۔

☆ جمہوری معاشرے اعتدال، برداشت، تعاون اور سمجھوتے کے اصولوں پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ انہیں علم ہوتا ہے کہ کسی مسئلے پر اتفاقِ رائے حاصل کرنے کے لیے سمجھوتہ کرنا ناگزیر ہوتا ہے اور یہ بھی کہ اتفاقِ رائے کا حصول ہمیشہ ممکن نہیں ہوتا اور اختلافِ رائے خوش دلی سے برداشت کی جانی چاہئے۔ جب کہ انتہا پسندی، اختلاف کو برداشت نہیں کر سکتی لہٰذا جمہوری معاشروں میں اعتدال پسندی کو خصوصاً فروغ دیا جاتا ہے اور باہمی تعاون کی فضا پیدا کر کے ماحول کو اتفاقِ رائے کے لیے سازگار بنایا جاتا ہے۔

یہ تھا جمہوریت کے ان چیدہ و چنیدہ اوصاف کا مجمل بیان جن کا مشاہدہ کسی بھی حقیقی جمہوری معاشرے کی ساخت و افعال میں کیا جا سکتا ہے۔ مجھے نہایت عاجزی کے ساتھ اعتراف ہے کہ عمر عزیز کا غالب حصہ سیاست کے دشت کی سیاحی میں گزارنے اور اس کے تلخ و شیریں ذائقوں سے مقدور بھر تلخ و شادکام ہونے کے باوجود میں آج بھی سیاسی نظریہ سازی کے میدان میں ایک مبتدی سے بڑھ کر کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ مجھے کسی نئے سیاسی اسلوب اور فکر کا بانی ہونے کا دعویٰ کرنے کا بھی یارا نہیں، کیونکہ ایسا کوئی کارنامہ میری ذات سے ظاہر نہیں ہوا، لیکن مذکورہ صدر فہرست کو میں پورے اعتماد کے ساتھ، اگر مکمل نہیں، تو مستند ضرور قرار دے سکتا ہوں کیونکہ یہ محض میرے زورِ عقل و قلم کا حاصل نہیں، بلکہ اس کے عقب میں ان اقوام کے مجموعی تجربے کا نچوڑ کارفرما ہے جو گذشتہ کئی صدیوں سے جمہوریت کو اس کے ہر رنگ میں پرکھتی اور برتتی چلی آرہی ہیں۔ ان کی صداقت اور پختگی کی آزمائش آپ اپنے طور پر کسی بھی سطح پر کر سکتے ہیں۔ آزما دیکھئے، حقیقت خود بخود منکشف ہو جائے گی۔(۱)

جمہوری نظام میں عوام کا حق:

وہ نظامِ مملکت جس میں عوام کی شرکت جتنی بڑھے گی، اور جس میں عوام کے حقوق کا تحفظ جتنا بڑھے گا اتنا ہی وہ جمہوری حکومت کہلانے کی مستحق ہو گی۔

---

(۱) اسلام اور سیاست، مفتی تقی عثمانی، مکتبہ ادارۃ المعارف، کراچی ص:۸۵

۱۔ حکم عوام کا ہونہ کہ شخص یا ادارے کا:

اس دفعہ کی پہلی شق یہ ہے کہ حکم کا حق فرد کی جگہ افراد کے ہاتھ میں آجائے۔

تمام افراد ریاست اس کے اہل ہیں کہ وہ سربراہ مملکت بن سکیں۔ اس کے لیے وہ اپنا حق استعمال کرتے ہوئے کسی کو بھی اس عہدے پر مقرر کر سکیں۔ اس کے بعد عوام کے ووٹ کی قیمت اور حیثیت یکساں ہو جاتی ہے بشمول عورتوں کے۔ شق کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ: "شخص، قوم، قبیلہ، تعلق کو حکم میں عمل دخل نہ ہو۔ یعنی عوام ہی اپنے سربراہ کو منتخب کرے اور عوام کو ہی اس کے ہٹانے کا حق بھی ہو۔" جمہوریت میں ہر شخص کے لیے گنجائش موجود ہے کہ وہ سربراہِ ریاست بن سکتا ہے۔ [۱]

۲۔ مساوات

سب کے لیے برابری کی کئی قسمیں ہیں جنسی برابری، خاندانی برابری، قومی برادری، مالی برابری، قانون میں برابری، ملک کی شیریت میں برابری وغیرہ وغیرہ۔

۱۔ مساوات جنسی :

مرد وعورت کے یکساں حقوق ہیں چاہے یہ حق سیاسی ہو جیسے ووٹ کا حق یا نمائندگی کا حق جیسے عہدہ اور منصب اسی طرح سیاسی جماعت بنانے کا حق یا قانونی حق سب حقوق میں عورت مرد کے برابر ہے باالفاظِ دیگر زندگی کے ہر شعبے میں عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ چلیں۔ [۲]

۲۔ خاندانی مساوات:

سربراہِ مملکت بننے کے لیے کسی خاص خاندان سے ہونا ضروری نہیں ہے، یا یہ کہ تمام خاندانوں کی یکساں حیثیت ہو اور سب کی قدر و منزلت ہو۔ [۳]

---

(۱) اسلام اور سیاست، ص:۹۶

(۲) جمہوریت کی حقیقت، مفتی رضوان احمد، مکتبہ الحکیم، لاہور، ص:۱۵۶

(۳) ایضاً

۳۔ مساوات معاشرتی:

آج بھی دنیا کی مہذب ریاستوں میں رنگ و نسل کے جھگڑے موجود ہیں امیر اور غریب کے مسائل بھی موجود ہیں بلکہ بھارت جیسے جمہوری ملک میں اب بھی ذات پات کی تقسیم رائج ہے۔ جبکہ ایسا نہیں ہونا چاہیے معاشرتی مساوات کا مطلب ہے معاشرے میں سب یکساں ہیں۔ [۱]

سلطنت کے حکام کا رہن سہن:

اس کا مطلب ہے کہ سربراہ مملکت عوام کے ساتھ مل بیٹھیں، عوام کی ان تک رسائی آسان اور ممکن رہے، یہی معاشرتی برابری ہے کہ لوگ اپنی جائز شکایات یا ضروریات کو لے کر حکمرانوں سے ملنے کو نہ بے تاب ہوں، تاکہ عوام کی شکایات کی بروقت شنید ہو سکے۔

۴۔ معاشی مساوات:

یعنی اس بنا پر بھی سربراہ مملکت کو باشندگانِ ریاست پر کسی قسم کی فوقیت اور ترجیح نہ ملے۔

مالی مساوات کا ایک اور مطلب یہ بھی ہے جس کو معاشی برابری کہتے ہیں معاشی برابری کا مطلب یہ کہ ریاست کی طرف سے سب لوگوں پر رزق کے وسائل ایک جیسے کھلے رہے۔ [۲]

۵۔ قانونی مساوات:

یعنی اس بنا پر بھی سربراہ مملکت کو باشندگان ریاست پر کسی قسم کی فوقیت اور ترجیح حاصل نہ ہو۔

خواہ وہ حاکم ہے یا خواص میں سے ہے یا عوام سب پر یکساں قانون لاگو ہو گا۔ [۳] اسی طرح قانون و انصاف کا تقاضا ہے کہ ریاست کے تمام شہریوں کو انصاف بھی ملے جو کہ سستا بھی ہو اور جلد ملے ۔

۶۔ ملکی و شہری مساوات:

یعنی اس بنا پر بھی سربراہِ مملکت کو باشندگانِ ریاست پر فوقیت و ترجیح نہ ملے۔

مطلب یہ ہے کہ سربراہ مملکت ہر باشندہ یا شہری ہو سکتا ہے یہ کسی خاندان کی میراث نہیں ہونی چاہئے، بلکہ ملک کا ہر شہری عوام کی رائے سے ملک کا سربراہ بن سکتا ہے۔ [۴]

---

(۱) جمہوریت کی حقیقت، مفتی رضوان احمد، مکتبہ الحکیم، لاہور، ص:۱۵۶

(۲) اسلام، جمہوریت اور آئین پاکستان، محمد اسرار مدنی، ادارہ امن تعلیم، اسلام آباد ص:۵۶

(۳) ایضاً

(۴) ایضاً

۳۔ مملکتی دولت ملک کی ملکیت ہو:

مملکت کا خزانہ اس کی، ملک کی ملکیت ہے۔ جس پر سربراہ مملکت کو اپنی ذاتی دسترس حاصل نہیں ہونی چاہیئے، کہ جسے سربراہ مملکت بلا شرکتِ غیرے اپنے استعمال میں لائے، اور ملکی خزانہ بلا روک ٹوک استعمال کرے، بلکہ ملکی خزانہ عوام کی ملکیت ہے جسے عوام کی فلاح و بہبود اور ملک کی ترقی پر صرف کرنا چاہیئے نہ کہ حکمرانوں کی عیاشیوں پر خرچ ہو۔[۱]

جمہوریت میں آزادی اظہار رائے کا تصور:

جمہوریت رائے کی آزادی دیتی ہے بلکہ لازم قرار دیتی ہے اس طریقے سے کہ یہ انسان کا بنیادی حق ہے جمہوریت میں کسی پر بھی اپنی رائے کے اظہار پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی۔

تجزیہ

جمہوری نظام اپنی خصوصیات جب کہ اسلامی نظام اپنی خصوصیات رکھتے ہوئے ایک دوسرے سے متصادم نہیں ہیں۔ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اس خصوصیت کا علمبردار اسلام اور اسلام کی تعلیمات ہیں، جس کو اسلامی تعلیمات نے بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔۔ اس وصف کا سنگ بنیاد حضور اکرم ﷺ کے ان تاریخی کلمات پر رکھا گیا، جو آپ نے ان لوگوں سے کہے تھے جو چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹنے کی سزا پانے والی ایک اعلیٰ قبیلے کی فاطمہ نامی عورت کے معاشرتی رتبے کا لحاظ فرماتے ہوئے معافی کی سفارش لے کر آئے تھے۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے "ذلیل ہوئیں پہلے کی اقوام جب ان کا قانون صرف کمزور اور ناتواں لوگوں کے لیے تھا۔" ایک دوسرے موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر میری اپنی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں اس کا ہاتھ بھی کاٹنے کی سزا دیتا۔"[۲]

اسی طرح عوام اور رعایا کے حقوق کی پاسداری اور ان کو ان کے حقوق دینا اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے۔ لہٰذا اسلامی تعلیمات اور جمہوریت میں باشندوں کو بحیثیتِ انسان کے اہمیت سے نوازا گیا ہے، قطع نظر اس کے مذہب کے اور قوم کے۔

---

(۱) اسلام، جمہوریت اور آئینِ پاکستان، محمد اسرار مدنی، ادارہ امن تعلیم، اسلام آباد ص:۵۶

(۱) بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث الغار، برقم (۳۴۷۵)، ومسلم، كتاب الحدود، باب قطع السارق الشريف وغيره، والنهي عن الشفاعة في الحدود، برقم (۱۶۸۸).

باب سوم:

اسلامی وجمہوری نظامِ حکومت میں سربراہان کی اہلیت وانتخاب کے اصول وضوابط

فصل اول: اسلامی نظام حکومت میں سربراہ کی اہلیت کے اصول

فصل دوم: جمہوری نظام حکومت میں سربراہ کی اہلیت کے اصول

فصل سوم: اسلامی نظام حکومت میں سربراہ کے انتخاب کا طریقہ کار

فصل چہارم: جمہوری نظام حکومت میں سربراہ کے انتخاب کا طریقہ کار

فصل اول:

اسلامی نظام حکومت میں سربراہ کی اہلیت کے اصول

فصل اول:

اسلامی نظام حکومت میں سربراہ کی اہلیت کے اصول

اسلام میں تصورِ اہلیت

اسلام چونکہ حاکمیتِ الٰہیہ کی تعلیم دیتا ہے اس وجہ سے اسلام میں اجتماعی ذمہ داریوں کے لیے اہلیت کی بنیاد فرد کا اسلامی تصورات اور شریعتِ اسلامیہ کو نافذ کرنے کے لیے موزوں اور مناسب ہونا زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ یہ بھی حاکمیت کی بنیادی نظریے کی اساس ہے اسلام میں حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے لہٰذا اسلامی تعلیمات کی رو سے جو اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے والے لوگ ہی ان مناصب کے لیے زیادہ موزوں ہیں۔ بلکہ مناصب پر نامزدگی کرنا بھی ان کا حق ہے۔

اسلام کا یہی تصورِ حاکمیت اس کے طرزِ شورائیت میں بھی نمایاں ہے۔ اس کے اراکین بھی ماہر شریعت ہوتے ہیں، جیسا کہ خیر القرون میں مجلس شوریٰ کے ارکان کے انتخاب کے وقت ان کی شرعی علوم میں مہارت کو دیکھا جاتا جو کہ ان کی مجلس شوریٰ کارکن بننے کی وجہ بنتی تھی۔

اسلامی نظام حکومت میں جمہوری نظام کی طرح صرف عوام کی رائے سے مناصب نہیں ملتے بلکہ اہل شوریٰ یا ولی امر مناصب کے لیے لوگوں کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے ان کو مناصب سپرد کرتے ہیں، کیوں کہ اسلام کا سب سے پہلے جو مقصد ہوتا ہے ان مناصب سے وہ اللہ کی حاکمیت کا قیام ہوتا ہے اسی وجہ سے اسلام میں مناصب ان لوگوں کے حوالے کیئے جاتے ہیں، جو اللہ کی بھیجی ہوئی شریعت کو نافذ کر سکیں اور ملک کی حفاظت کے ساتھ دین کی حفاظت پر بھی اپنی صلاحیتیں صرف کریں۔

اللہ کی حاکمیت سے مراد ایک طرف اللہ کی شریعت کی حاکمیت مطلق ہے جب کہ دوسری طرف اس کی شریعت کے نفاذ کی خاطر ایسے اشخاص کا حاکم بننا ہے جو اللہ کی حاکمیت اور شریعت کو اپنی ذات کے ساتھ ساتھ تمام لوگوں پر اس کا نفاذ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں جس کے متعلق آیت مبارکہ درج ذیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهۡلِهَا﴾[1]

ترجمہ: یقیناً اللہ حکم دیتا ہے تم کو کہ امانتیں ان کے حقداروں کو دو۔

---

(۱) سورۃ النساء:۴/۵۸

مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ عہدے حقدار لوگوں کو دیں اور اہل لوگ حق وسچ پر فیصلہ دیں کیونکہ یہ منصب اللہ کی طرف سے دی گئی امانت ہے اور امانت کی ادائیگی میں سستی کرنا خیانت میں شمار ہوگا۔ایسوں کے لیے وعید فرمائی ہے حضور ﷺ نے اس شخص کے لیے جو آیت کے مطابق عمل نہ کریگا۔

ارشادِ نبوی ہے :

((إذا ضُيِّعَتِ الأمانة فانتظر الساعة قال: كيف إضاعتها؟ قال-----)) (۱)

"جس وقت امانتیں ضائع جب امانت ضائع کی جانے لگیں تو پس منتظر رہو قیامت کے، صحابہ کرام نے کہا کہ کس طرح ضائع کرنا امانت کا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب امر نااہل لوگوں کو سونپا جائے تو پس قیامت کا انتظار کرو۔

تمام اختیارات ربّ العزت کے ہیں یعنی حاکمیتِ الٰہ اور دنیا میں جو شخص بھی اس اختیار کو حاصل کرتا ہے وہ بطورِ امانت اس کو حاصل ہوتی ہے۔اور یہ عہدے بھی اپنی مرضی کرنے کے بجائے اسی جذبے سے اہل لوگوں کو دینے چاہیے تاکہ وہ ان کا حق ادا کریں کیونکہ اسلامی تعلیمات میں یہ عہدے کسی اعزاز کے بجائے ایسے فرائض اور امانتیں ہیں جس کا محاسبہ بڑا شدید ہے۔

ارشادِ نبوی ہے:

((إنها أمانة وإنها يوم القيامة خزي وندامة، إلا من أخَذَها بحقها وأدّى الذي عليه فيها)) (۲)

"یہ منصب ایک بوجھ ہے جو قیامت کے دن ذلت اور رسوائی کا سبب بنے گا سوائے اس شخص کے جو اس حالت میں اس پر مقرر ہوا کہ وہ اس کا حق رکھتا تھا۔اور وہ اس کا حق ادا کرنے کی پوری کوشش میں رہا۔ اسلام اپنے مسلمان عہدے داروں سے تقاضہ کرتا ہے کہ وہ امور اہل لوگوں کے سپرد کریں۔

اہلیت کی دو صورتیں ہیں: اہلیت کام کی یا اہلیت طاقت کی۔

مذکورہ بالا آیت کا پسِ منظر علماء نے یوں بیان کیا ہے کہ جب حضور ﷺ بیت اللہ آئے یہ غرض لے کر کہ بیت اللہ کی کنجیاں بنو شیبہ سے لے کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو دی جائیں اللہ نے فرمایا کہ عثمان بن طلحہ کا خاندان اس کام کو اچھے طریقے سے سرانجام دے رہا ہے لہٰذا بیت اللہ کی کنجیاں انہی کے پاس رہنے دی جائیں۔ (۳)

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب العلم، ۵۹،۱

(۲) صحیح بخاری، حدیث نمبر ۴۸۷۱

(۳) تفسیر ابن کثیر عمادالدین، حافظ ابن کثیر، ابوالفداء دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ، ص ۴۳۱

جس پر بیت اللہ کی چابیاں حضرت عثمان بن طلحہ کے خاندان کو ان کی سابقہ کارکردگی کی بنیاد پر اور ثابت شدہ اہلیت پر دی گئی تھیں، کہ وہ آئندہ بھی اپنی ذمہ داری بطریقہ احسن نبھائیں گی۔

کئی دفعہ اس طرح تو نہیں ہوتا کہ ماضی میں کسی شخص نے کوئی نمایاں کارنامے کیے ہوں لیکن اس فرد میں یہ اہلیت بالقوہ موجود ہوتی ہے یہ شخص اپنی اہلیت کی بنیاد پر سونپے جانے والے امور میں اپنی ذمہ داری بطریقہ احسن نبھائے گا جس کی قوت اس کے اندر موجود ہوتی ہے یا اس کے کسی دوسرے شعبے میں کارکردگی مدّ نظر ہوتی ہے کہ جیسا ایک شعبے میں کارکردگی اچھی ہے تو اسی طرح اب تفویض کی جانے والی ذمہ داری میں بھی اس کی کارکردگی اچھی ہوگی، اس نوعیت کی اہلیت سے متعلق کئی طرح کی آراء آسکتی ہیں جیسا کہ حضرت اسامہ کو غزوات کا امیر بناتے وقت آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((إن تطعنوا في إمارته فقد كنتم تطعنون في إمارة أبيه من قبل وأيم الله إن كان لخليقا للإمارة-------)) (۱)

اگر تم اعتراض کرتے ہو اس کی امارت کے متعلق تو اس سے پہلے اس کے والد کے متعلق بھی تم یہی رویہ اختیار کر چکے ہو واللہ یہ لشکر کی امارت کے لیے بلکل مناسب ہے اس کا والد مجھے بہت محبوب تھا اور یہ بھی اس کے بعد مجھے بہت محبوب ہے ۔

علامہ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ دو بنیادی اہلیتیں بتاتے ہیں کہ قوی اور امین ہونا بنیادی اہلیت ہے منصب کے لیے، قوت سے مراد علم اور عدل اور اپنے حکموں پر عمل درآمد کرانے کی اہلیت ہے جبکہ امین ہونے سے مراد خوف خدا سے دنیا کے قلیل متاع کے بدلے اپنے منصب میں خیانت کا مرتکب نہ ہو۔

اسلام میں عہدہ اہلیت کی وجہ سے ملتا ہے نہ کہ کسی اور وجہ سے جو کوئی بھی یہ ذمہ داری نا اہل شخص کو دیگا ایسے شخص کے متعلق نبی کریم ﷺ نے شدید وعید کی ہے :

((من وُلِّي من أمر المسلمين شيئًا فولّى رجلاً وهو يجد من هو أصلح للمسلمين فقد خان الله ورسوله)) (۲)

---

(۱) صحیح بخاری: ۴۴۶۹

(۲) سیاستِ شرعیہ: ص ۹۶

ترجمہ: جس کسی کو مسلمانوں کے احکام سپرد کئے جائیں پس وہ ایسے شخص کو منصب سے نوازے جبکہ قابل، اہل شخص موجود تھا تو یہ شخص اللہ اوراس کے رسول ﷺ سے خیانت کا مرتکب ہوا۔

نیز ارشاد ہے کہ:

((من استعمل رجلاً من عصابة وهو يجد في تلك العصابة أرضىٰ منه فقد خان الله وخان رسوله وخان المؤمنين))(١)

"جس کسی نے کسی جماعت پر ایسے بندے کو فائز کیا حالانکہ اس جماعت میں اس سے اس سے بہتر شخص موجود تھاتو یہ شخص اللہ اراس کے رسول ﷺ سے خیانت کا مرتکب ہوا۔"

کسی مسلمان کو منصب دینے کا مقصد صرف شریعتِ الٰہیہ کا قیام ہوناچاہیے نہ کہ کوئی اور مقصد اور مفاد ہو، أَن تَحۡكُمُوا بِٱلۡعَدۡلِ کے الفاظ سے بنیادی بات واضح ہوتی ہے

عدل کے معنیٰ کا تعین آپ ﷺ کے فرمان سے ہوتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں:

((كتاب الله فيه نبأ ماكان قبلكم وخبرما بعدكم وحكم ما بينكم هو الفصل ليس بالهزل-من قال به صَدَق ومن عمل به أُجرومن حَكَم به عدل))(٢)

قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے جس میں گزشتہ اقوام کے حالات ہیں آنے والے واقعات کی خبر ہے اس میں تمہارے درمیان پیش آنے والے معاملات کے لیے فیصلہ کن حکم ہے یہ فیصلہ کرنے والی کتاب ہے،نہ کہ مذاق ہے ۔جو کوئی اس کی وجہ سے کوئی بات کرے سمجھو اس نے سچ بولا جس نے اس کی وجہ سے اس پر عمل کیا اس کو اجر ملے گااور جو کوئی اس بناء پر حکم کرے تو گویا حقیقی عدل کو مدِ نظر رکھا گیا۔

اسی طرح فرمانِ خداوندی ہے کہ

﴿وَمَن لَّمۡ يَحۡكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ﴾(٣)

ترجمہ: اور جو کوئی فیصلہ نہ کرے اللہ کے اتارے ہوئے کے موافق پس ایسے لوگ ظالم ہیں۔

---

(١) المستدرک ، حافظ ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم النیشاپوری، مترجم شاہ محمد چشتی، یو اینڈ می پریس لاہور ۲۰۰۹، ۴/ ۲۴۰

(٢) جامع ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، ضیاء احسان پبلشرز، ۱۹۸۸ ، حدیث نمبر ۲۹۰۶

(٣) سورہ المائدہ:۵/ ۴۵

عدل کی ضد ظلم ہے اللہ کے نازل کردہ احکام سے روگردانی کرتے ہوئے فیصلہ کرنا یقیناً ظلم ہی کہلائے گا۔اگرچہ انسان کی نظر میں وہ انصاف ہی کیوں نہ ہو۔

اسلام میں منصب کا مقصد شریعتِ اسلامی کو نافذ کرنا ہے اس ضمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے جب وہ اپنے دورہ خلافت میں لوگوں کو امارت کی اہمیت بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امارت کا قیام ہر حال میں لازمی ہے اگرچہ امیر خود نیک ہو یا گناہگار ہو۔لوگوں نے پوچھا اے امیر المؤمنین امیر کا نیک ہونا تو سمجھ میں آتا ہے فاسق امیر کا کیا فائدہ؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

يُقام بها الحدود وتأمن بها السُّبل ويجاهد به العدوّ ويُقسم بها الفيء[1]

حدود اللہ کا قیام اور امن قائم ہو جائے گا گزر گاہوں میں اور دشمن سے جہاد ممکن ہو جائے گا اور مالِ فئے کی تقسیم ہو پائے گی۔

قرآنِ کریم کا مطالعہ کریں اس میں بھی حکومت کے قیام کے بعد حکومت کی ذمہ داریوں کا ذکر ملتا ہے قرآنِ کریم میں ہے:

﴿الَّذينَ إِن مَكَّنّٰهُم فِي الأَرضِ أَقامُوا الصَّلوٰةَ وَءاتَوُا الزَّكوٰةَ --------﴾[2]

وہ لوگ جن کو اگر اندر زمین کے اقتدار ملے تو یہ نماز پڑھیں، اور ادا کریں زکوٰۃ، اور نیکی کا امر کریں، برائی سے منع کریں اور امور کا انجام اللہ ہی کے لیے ہے۔

سید قطب شہید لکھتے ہیں کہ

"میں غلط فہمی کا شکار سمجھتا ہوں ان لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ اسلامی نظام سوشلزم ہے جب کہ اسلام کے سیاسی نظام کی بنیاد چار چیزوں پر ہے: حاکمیتِ الٰہ، حکام کا عدل، معروف میں اطاعت کرنا اور شوریٰ۔[3]

سربراہ مملکت بننے کی اہلیت کی دیگر شرائط

مسلمان ہونا

ایک اسلامی ریاست کے خلیفہ یا امیر اور اسی طرح باقی سب اولو الامر، جن میں اہلِ شوریٰ، انتظامیہ، عدلیہ کے اہم ارکان شامل ہیں۔ان کا مسلمان ہونا لازمی ہے کیونکہ اسلامی مملکت ایک نظریاتی مملکت ہوتی ہے اور جو لوگ اس نظریے پر ایمان نہ رکھتے ہوں وہ اس کے نظام کو نہیں چلا سکتے۔اللہ کا فرمان ہے:

---

(۱) فتاویٰ ابن تیمیہ: ۳۷۹/۶

(۲) سورۃ الحج: ۴۱/۲۲

(۳) عدالت اجتماعی در اسلام، سید قطب، کلبہ شروق، تہران، ۱۹۶۳ء، ص ۹۳

﴿وَاُوْلِیْ الْاَمْرِ مِنْکُمْ﴾[1]

تابعداری کرو ان کی جو اہلِ اقتدار ہوں تم میں سے۔

مطلب یہ کہ مسلمانوں میں سے ہوں۔

دوسری جگہ پر اللہ کا ارشاد ہے :

﴿یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خبالًا﴾[2]

اے ایمان والو! نہ بناؤ رازدار تم اپنوں کے سوا دوسروں کو وہ تمہیں خراب کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔

علوم قرآن و سنت میں مہارت

امیر اور اہلِ شوریٰ کے لیے لازم ہے کہ وہ قرآن و سنت کے علوم کے اس قدر جاننے والے ہوں کہ حالات کے مطابق نصوص سے استنباط کر سکتے ہوں۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَاِذَا جَآءَھُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا --------﴾[3]

اور جب آئے امن یا خوف کی کوئی بات ان کے پاس تو یہ اسے پھیلا دیتے ہیں اور اگر اس کو اپنے رسول اور اپنے حاکموں کی طرف لوٹاتے تو وہ اس کی تحقیق کر کے اس میں سے اصل مسئلہ کا استنباط کرتے۔

متقی و پرہیز گار

امیر اور اہلِ شوریٰ کے لیے قرآن و سنت کے علوم کے ساتھ ساتھ متقی اور پرہیز گار ہونا بھی ضروری ہے اسلامی معاشرے میں وہی سب سے زیادہ معزز شمار ہوتا ہے جو تقوے میں ہر ایک سے بڑھکر ہو قرآن میں ہے کہ:

﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ﴾[4]

ترجمہ: اس میں کوئی شک نہیں نزدیک اللہ کے تمہارے میں سے مکرم وہی ہے جو سب سے بڑھ کر اللہ سے ڈرنے والا ہے۔

---

(۱) سورۃ النساء: ۴/ ۵۹

(۲) سورۃ العمران: ۳/ ۱۱۸

(۳) سورۃ النساء: ۴/ ۸۳

(۴) سورۃ الحجرات: ۴۹/ ۱۳

اہلیت

جو ذمہ داری اس کو سپرد کی جارہی ہے وہ اس کا اہل ہو۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾[1]

ترجمہ: بے شک تمہارے کو حکم دیتا ہے اللہ کہ امانتیں ان کے حقداروں کو دو۔

عمر کا تعین

چالیس سال کی عمر کا تعین اسلامی تعلیمات سے ثابت ہوتا ہے تمام نبیوں کو اللہ نے چالیس کے عمر میں نبوت دی اللہ کا فرمان ہے:

﴿حَتّٰىٓ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً﴾[2]

یہاں تک کہ انسان جوانی کو پہنچا اور چالیس سال کو پہنچا۔

یعنی چالیس سال کی عمر پختگی کی عمر ہے۔

مذکورہ بالا اوصاف امیر کے لیے ہے اہلِ شوریٰ کی مندرجہ ذیل تین حیثیتیں ہیں۔

ارکانِ شوریٰ

جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ ارکانِ شوریٰ قرآن و سنت کے علوم میں ماہر ہو جو کہ اجتہاد اور استنباط کرنے کے درجے تک پہنچے ہوں۔ یہ ان کی نمایاں صفت ہے۔

انتظامیہ کا سربراہ

خاص کر فوج کے سربراہ کے لیے بدن کا مضبوط ہونا اور بہادر ہونا بھی لازمی ہے جس طرح اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ﴾[3]

ترجمہ: اور اسے علم اور جسم میں طاقت بخشی۔

عدلیہ کے سربراہ کے اوصاف

عدلیہ کے سربراہ کا صاحبِ بصیرت اور قوتِ فیصلہ کا مالک ہونا لازمی امر ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

---

(۱) سورۃ النساء:۴/۵۸

(۲) سورۃ الاحقاف:۴۶/۱۵

(۳) سورۃ البقرۃ:۲/۲۴۷

﴿ وَاٰتَیۡنٰهُ الۡحِكۡمَةَ وَفَصۡلَ الۡخِطَابِ ﴾[1]

اور دی ہم نے اسے حکمت اور فیصلہ کن بات کرنے کی صلاحیت۔

امام بخاریؒ نے کتاب الاحکام میں ایک باب یہ بھی باندھا ہے کہ قاضی کے اوصاف کیا ہونے چاہئیں؟ وہ لکھتے ہیں:

وقال الحسن اخذ اللّٰہ علی الحکام اَنْ لا یتبع الھوی

امام حسن بصری نے کہا اللہ تعالیٰ نے حاکموں سے یہ عہد لیا۔

(1) خواہش نفس کی پیروی نہ کریں (غیر جانبدار رہیں)

(2) ولا یخشوا الناس ولا یشتروا بایاتی ثمنًا قلیلا۔

(3) دنیا کی عارضی زندگی کی عیش و عشرت (رشوت وغیرہ) لے کر اللہ کے حکموں کو پس پشت نہ ڈالیں۔

(۲) اور خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیز قاضی کے لیے مندرجہ ذیل شرائط ضروری قرار دیتے تھے۔

وقال مزاحم بنُ زُفَرَ قَالَ لَنَا عمرُ بْن العزیزِ: خَمْسٌ اذا اَخْطَأَ القَاضِیِ مِنْھُنَّ خَصْلَةً الخ

ترجمہ: اور مزاحم بن زفر نے کہا کہ عمر بن عبد العزیز خلیفہ کے نزدیک پانچ باتیں ضروری ہیں۔

(۱) سمجھ والا ہو (دینی علوم میں فہم سلیم والا ہو)

(۲) بردبار ہو۔

(4) حرام کاموں اور بدکاری سے پاک ہو۔

(5) حق اور انصاف پر قائم ہو۔[2]

(6) عالم ہو اور دوسرے اہل علم سے علم کی باتوں پر تحقیق کرتا ہو۔

اسلام سربراہ مملکت اور ہر ادارے کے سربراہ کی اہلیت کی شرائط مقرر کرتا ہے اور اہلیت کی یہ شرائط اسلام کے ہر دور میں نافذ کرنا ضروری ہیں ان شرائط کے حامل افراد کو ملک کا سربراہ بنایا جائے یا کسی ادارے کی بھاگ دوڑ ان کے سپرد کی جائے تو یہ افراد ہر اعتبار سے ملک کی ترقی یا ادارے کی بہتری میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔

---

(۱) سورۃ ص: ۳۸/ ۲۰

(۲) بخاری، کتاب الاحکام

فصل دوم:
جمہوری نظام حکومت میں سربراہ کی اہلیت کے اصول

فصل دوم:

جمہوری نظام حکومت میں سربراہ کی اہلیت کے اصول

جمہوریت میں ملک کا سربراہ بننے کے لیے جو اصول وضع کئے ہیں ان کو سمجھنے کے لیے دو بڑی جمہوری حکومتوں کا جائزہ لیکر بات واضح کرنے کی کوشش ہو گی۔ جمہوری نظام کوئی آسمانی نظام تو ہے نہیں اس لیے دو ملکوں میں رائج نظاموں کو مد نظر رکھا گیا ہے، ایک ملکِ پاکستان کا جمہوری نظام ہے جہاں جمہوریت کا پارلیمانی نظام رائج ہے کیوں کہ جمہوریت کی دو اقسام ہیں ایک پارلیمانی نظام حکومت۔ دوسرا صدارتی نظام حکومت اس وقت دنیا میں صدارتی نظام کی حامل سب سے طاقت ور حکومت امریکہ کے نظام کو مدّ نظر رکھا گیا ہے۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا ذکر اس لیے ضروری ہے کیونکہ اس وقت اسے دنیا کی طاقتور ترین جمہوری حکومت کا مقام حاصل ہے۔ ہر جمہوری حکومت اپنے ملک کی منفرد سیاسی، سماجی اور ثقافتی زندگی کے اثرات کی بدولت، دوسری جمہوریتوں سے ممیز ہوتی ہے، اور جمہوری تنوع کو سمجھنے کے لیے امریکی جمہوریت بہتر مثال ہے۔

صدارتی جمہوری نظام

اس وقت دنیا میں کئی ممالک ایسے ہیں جہاں صدارتی نظام جمہوریت رائج ہے جن میں فرانس اور امریکہ قابلِ ذکر ہیں مقالہ میں صدارتی نظام پر روشنی ڈالنے کے لیے امریکہ کے صدارتی نظام کو بیان کیا ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ یا عرفِ عام میں صرف امریکہ، بلاشبہ اس وقت دنیا کی سب سے زیادہ زبان زدِ عام ملک ہے۔ اس وقت دنیا میں اس سے زیادہ سراہا جانے والا ملک اور کوئی نہیں، اور اس سے زیادہ نفرت انگیز ملک بھی اور کوئی نہیں۔ جہاں دوسرے ممالک اس کی امارت، صنعتی و علمی ترقی اور فوجی قوت سے مرعوب و خائف ہیں، وہیں اس کے حکمرانوں کی غیر منصفانہ پالیسیوں کی بدولت اسے ناپسند بھی کرتے ہیں۔ اس کی خارجہ پالیسی کے بعض پہلوؤں کو تحسین کی جب کہ بعض سے حقیقی معنوں میں گھن کھائی جاتی ہے۔ اس کی معیشت کی وسعت، قوت اور اثر انگیزی کو جہاں ترقی پذیر ممالک کے لیے ایک مثال سمجھا جاتا ہے، وہیں اس کے بعض تجارتی رویوں کو قابل نفرین بھی گردانا جاتا ہے۔ اس کے عوام کی دردمندی، حقیقت پسندی اور محنت کی عادت زبان زد عام ہے ، وہیں ان کی سوچ کی محدودیت، بدتمیزی کی حد کو پہنچتی ہوئی بے تکلفی اور بیرونی دنیا سے یک گونہ لاتعلقی کو ایک مضحکہ خیز عجوبہ خیال کیا جاتا ہے۔ غرض یہ کہ بیرونی دنیا میں امریکہ کا شخصی تاثر تضادات کا ایک چکرا دینے والا مجموعہ ہے، اور اگر دنیا کے قول اور فعل کو دیکھتے ہوئے کوئی ایک رائے قائم کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔[1]

---

(۱) متحدہ ریاستہائے امریکہ، ایم رشید، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ص ۳

امریکہ کی آبادی کی نوعیت:

امریکہ کی آبادی میں کس قسم کے لوگ شامل ہیں یعنی وہاں کی آبادی کی نوعیت کیا ہے۔ ۱۹۹۰ء مردم شماری میں صرف ۶ فیصد امریکیوں نے اپنا نسلی نسب "صرف امریکی" کے طور پر درج کیا۔ بقیہ چورانوے فیصد کا تعلق ان نسلی گروہوں سے تھا جو گذشتہ دو سو سال کے دوران دنیا کے مختلف خطوں سے نقل مکانی کر کے، ایک نئی زندگی کی تلاش میں امریکہ آئے اور ہمیشہ کے لیے یہیں کے ہو کے رہ گئے۔ سرکاری ریکارڈ میں ہے کہ ۱۸۲۰ء سے لے کر اب تک ساڑھے چھ کروڑ مہاجر امریکہ کی شہریت حاصل کر چکے ہیں اور صرف ۱۹۹۸ء میں ۶ لاکھ ۶۰ ہزار افراد نے اس مد میں امریکی آبادی کے حجم میں اضافہ کیا۔[۱]

امریکہ میں آئینی جمہوریہ کا آغاز:

امریکہ نے آئینی جمہوریہ ۱۷۸۹ء میں جارج واشنگٹن کے عہدۂ صدارت سنبھالنے کے ساتھ جمہوریت کی ابتداء کی۔ اس وقت کے بعد سے اب تک سوئٹزرلینڈ اپنے آئین میں ایسی انقلابی تبدیلیاں کر چکا ہے جس سے نظامِ حکومت کی شکل ہی تبدیل ہو کر رہ گئی ہے۔ سویڈن اور تھائی لینڈ میں بادشاہت کی حیثیت پہلے سے یکسر تبدیل ہو چکی ہے جبکہ برطانیہ میں بھی، جہاں بادشاہت کی بنیادیں غالباً مضبوط ترین ہیں، شاہی حکمران کے اختیارات و مراعات کو نہایت محدود کر کے اسے ایک تقریباً نمائشی چیز بنا دیا گیا ہے، اور اسی طرح دار الامراء کی بالاتر حیثیت ختم کر کے اسے ایک ایسا نگران مقرر کیا گیا ہے جس کو دار العوام کی کارگزاریوں پر نگاہ رکھنے کا ذمہ دار ہے۔ لہٰذا صرف امریکہ ہی ایک ایسا ملک ہے جو اپنے قیام سے لے کر اب تک ایک ہی نظامِ حکومت کو کامیابی سے برقرار رکھے ہوئے ہے، اور یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ اس اعتبار سے امریکی جمہوریت کی بہترین تصویر اس کے نظامِ حکومت کے مطالعے سے ہی پیش کی جا سکتی ہے۔[۲]

امریکی نظامِ حکومت اور اس کے ارتقائی مراحل کے مطالعے سے پیشتر اس کے متعلق ضروری زمینی حقائق پیش خدمت ہیں:

امریکہ کی آبادی

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی آبادی اس وقت ۲۹ کروڑ سے زائد ہے اور آبادی کے لحاظ سے چین اور بھارت کے بعد یہ دنیا کا تیسرا بڑا ملک ہے۔ ایسی کثیر آبادی کا حامل ہونے کے باوجود اسے گنجان آباد نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اس

---

(۱) متحدہ ریاستہائے امریکہ، ایم رشید، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ص ۳

(۲) جمہوریت کی کہانی، عظیم احمد، القلم، کراچی، ص ۷۳

کی فی مربع کلومیٹر آبادی کی شرح صرف ۱۳۲ افراد ہے۔ بڑی آبادی رکھنے کے باوجود گنجان آباد نہ ہونے کا سبب اس کا وسیع رقبہ ہے (رقبے کے لحاظ سے دنیا کے ملکوں میں تیسرے نمبر پر آتا ہے) جو کہ ۹۸ لاکھ ۲۶ ہزار ۶۳۰ مربع کلومیٹر پر محیط ہے یعنی یہاں سے پاکستان کے برابر ۱۲ ملک نکالے جاسکتے ہیں قابل غور امر یہ ہے کہ نسبت تناسب میں ایسا وسیع فرق صرف رقبے کے لحاظ سے ہے۔ اگر آبادی کی بات کی جائے تو بارہ گنا سے زائد بڑا امریکہ ہمیں دو پاکستان بھی فراہم نہیں کر سکتا حالانکہ یہ ہر سال لاکھوں مہاجرین کو اپنی سرزمین پر آباد ہونے کی اجازت پچھلی کئی دہائیوں سے دیتا چلا آرہا ہے۔ (۱)

امریکی نظامِ حکومت

امریکہ کا نظامِ حکومت وفاقی، ریاستی اور علاقائی قوانین اور اداروں کا مجموعہ ہے۔ وفاقی حکومت کا مرکز واشنگٹن ڈی سی اور نظامِ جمہوریت نمائندگانی طرز پر یعنی عوام اپنے قائدین کا انتخاب خود کر کے اپنی حکومت تشکیل دیتے ہیں۔

امریکی جمہوریت کی بنیاد چھ بنیادی تصورات پر رکھی گئی ہے:

۱۔ عوام کو اکثریت کی حکمرانی کا اصول قبول کرنا چاہئے۔

۲۔ اقلیتوں کے سیاسی حقوق کا تحفظ کیا جانا چاہئے۔

۳۔ شہریوں کو حکومت براہِ قانون کے نظام پر متفق ہونا چاہئے۔

۴۔ خیالات و آراء کے آزادانہ تبادلے پر کوئی قدغن عائد نہیں ہونی چاہئے۔

۵۔ قانون کے سامنے سب شہریوں کو برابر ہونا چاہئے۔

۶۔ حکومت کا وجود عوام کی خدمت کیلیے ہے کیونکہ اس کے اختیار کا سرچشمہ عوام ہی ہیں۔

ان تصورات کا عملی اطلاق ممکن بنانے کے لیے امریکی حکومت کو چار عناصر پر استوار کیا گیا ہے۔ اول، طاقت اور حاکمیت اعلیٰ کا مرکز و منبع عوام کو قرار دیا گیا ہے۔ دوم، نمائندگانی حکومت قائم کی گئی ہے۔ سوم، اقتدار کا غلط یا بے جا استعمال روکنے کے لیے جابجا کڑے معیارات اور کسوٹیاں مقرر کر دی گئی ہیں اور چہارم، مربوط وفاق یعنی ایک ایسا مرکز تشکیل دیا گیا ہے جہاں اختیارات مختلف حکومتی سطحوں پر تقسیم کر لیے گئے ہیں۔ (۲)

---

(۱) جمہوریت کی کہانی، ص ۴۷

(۲) متحدہ ریاستہائے امریکہ، ص ۹۱

پارلیمانی جمہوری نظام (پاکستان) میں سربراہِ مملکت کے اہل ہونے کے اصول

صاف ظاہر ہے کہ پارلیمنٹ کی رکنیت، وزارت، صدارت اور وزارت عظمیٰ کے مناصب سے بڑی امانتیں ریاست میں اور کیا ہو سکتی ہیں؟ آئینِ پاکستان نے وزیر اعظم کے لیے شرائطِ اہلیت مقرر کی ہیں جن پر پورا اترنا بالترتیب ہر منصب کے امیدوار کے لیے ضروری بلکہ ناگزیر ہے ورنہ یہ اقدام امانت میں خیانت تصور ہو گا۔

جمہوری نظام حکومت میں اہلیت کے اصول اس ملک کا آئین طے کرتا ہے ملکِ پاکستان کا آئین سربراہ مملکت (صدرِ پاکستان) کے لیے درج ذیل اصول بیان کرتا ہے۔

۱۔ مسلمان ہونا۔ (۱۹۶۲ء سے پہلے مسلمان ہونے کی شرط نہ تھی)

۲۔ کم سے کم ۳۵ سال عمر ہو۔

۳۔ قومی اسمبلی کا ممبر بن سکتا ہو۔ قومی اسمبلی کا ممبر بننے کی اہلیت مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ بالغ شہری اور رائے دہندہ ہو۔

۲۔ کسی منافع بخش عہدے پر متمکن ہو۔

۳۔ دیوالیہ یا ایبڈو زدہ نہ ہو۔

۴۔ سیاسی اور اخلاقی جرائم میں پچھلے ۵ سالوں میں ۲ سال تک قید کی سزا نہ بھگت چکا ہو۔

۵۔ صوبائی یا قومی اسمبلی میں سے کسی کا ممبر نہ ہو اور نہ ہی گورنر ہو کسی صوبے کا۔

جمہوری نظام حکومت میں اہلیت کے اصول اس ملک کا آئین طے کرتا ہے ملکِ پاکستان کا آئین سربراہ مملکت (وزیرِ اعظم پاکستان) کے لیے درج ذیل اصول بیان کرتا ہے۔

۱۔ آئینِ پاکستان کی رو سے وزیر اعظم بننے کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ قومی اسمبلی کا ممبر ہو۔

تعارف اور شرائط اہلیت درج ذیل ہیں۔

قومی اسمبلی

پاکستان دو ایوانوں پر مشتمل پارلیمنٹ کا حامل ملک ہے ا۔ سینٹ ۲۔ قومی اسمبلی

ملک میں قانون سازی ان دونوں ایوانوں کے ذریعے کی جاتی ہے، یہی قانون ساز ادارے پارلیمنٹ کہلاتے ہیں، قومی اسمبلی پارلیمنٹ کا حصہ ہے اور یہ قانون ساز ادارہ ہے اس میں اس کے ارکان عوام کے ووٹوں سے بنتے ہیں۔[1]

---

(۱) اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور، محمد ریاض معتمد قومی اسمبلی، ۷ جنوری ۲۰۱۵، اسلام آباد، آرٹیکل ۲۲۲، ص ۱۴۱

پاکستان کے دستور میں ہے کہ قومی اسمبلی کے کتنے ارکان ہوں گے، اور متناسب نمائندگی کس طرح دی جائے گی، قومی اسمبلی کے کل ممبران کی تعداد ۳۴۳ ہے جن میں سے ۲۷۰ قومی اسمبلی کے حلقے ہیں جن میں انتخابات ہوتے ہیں اور عوام اپنا نمائندہ منتخب کرکے ایک فرد قومی اسمبلی کا ممبر بناتے ہیں، باقی نشستوں پر ہر پارٹی کو جیتی ہوئی نشستوں کے حساب سے خواتین اور غیر مسلموں کی متناسب نمائندگی دیکر قومی اسمبلی کا ممبر بنایا جاتا ہے۔[۱]

قومی اسمبلی کا ممبر بننے کی شرائط

۱۔ قومی اسمبلی کا ممبر وہ شخص بن سکتا ہے جو پاکستانی ہو۔

۲۔ قومی اسمبلی کا ممبر بننے کے لیے ۲۵ سال عمر ہونا لازمی ہے۔

۳۔ الیکشن کمیشن آف پاکستان انتخابات کے لیے ووٹروں کی لسٹ جاری کرتا ہے، اس لسٹ میں بحیثیتِ ووٹر نام ہونا لازمی ہے، ووٹر ہو گا تو ممبر بن سکتا ہے۔

۴۔ جو شخص اس بات کی طلب رکھتا ہو کہ وہ قومی اسمبلی کا ممبر بن جائے تو اس کے لیے کوئی بھی سرکاری عہدہ رکھنا اس کے قومی اسمبلی کا ممبر بننے کی راہ میں رکاوٹ ہے، یعنی اس کے پاس کوی سرکاری عہدہ نہ ہو۔

۵۔ قومی اسمبلی کا ممبر بننے کے لیے لازمی ہے کہ وہ دماغی لحاظ سے صحت مند ہو مطلب یہ کہ پاگل شخص قومی اسمبلی کا ممبر نہیں بن سکتا۔

۶۔ قومی اسمبلی کا ممبر وہ شخص بن سکتا ہے جس کی ملازمت کا خاتمہ کسی بھی بدعنوانی، خرد برد کا موجب نہ ہو۔

۷۔ جو شخص قومی اسمبلی کا ممبر بننا چاہ رہا ہے یہ کسی جرم میں عدالت کی طرف سے دو سال سے کم سزا یافتہ ہو۔

۸۔ قومی اسمبلی کا ممبر بننے کے لیے لازمی ہے کہ یہ شخص ملک کی نظریاتی شناخت کا محافظ ہو، اور اپنے ملک سے وفادار ہو، اپنے ملکی اداروں کے خلاف پرچار نہ کرتا ہو۔

۹۔ قومی اسمبلی کا ممبر بننے کے لیے لازمی ہے کہ یہ شخص اپنی سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد دو سال گزار چکا ہو۔[۲]

ووٹر بننے کی شرائط

۱۔ انتخابی فہرست میں اس شخص کا نام ڈالا جاتا ہے جو پاکستان کی شہریت رکھتا ہو۔

---

(۱) ایضاً، آرٹیکل ۶۲، ص ۳۵

(۲) ایضاً آرٹیکل ۲۲۲، ص ۱۴۱

۲۔ پاکستان کا ادارہ نادرا ایسے افراد کو شناختی کارڈ جاری کرتا ہے جن کی عمر ۱۸ سال کو پہنچ جائے لہٰذا ووٹر بننے کے لیے قومی شناختی کارڈ اس کا حامل ہونا لازمی ہے۔

۳۔ ووٹر بننے کے لیے عمر کا ۱۸ سال کو پہنچنا لازمی ہے۔

۴۔ الیکشن کمیشن کی طرف سے جاری انتخابی فہرست میں نام کا اندراج ہو۔

۵۔ ووٹر ایسا فرد بن سکتا ہے جو ذہنی صحت کا حامل ہو یعنی پاگل نہ ہو۔[۱]

آئینِ پاکستان میں مذکورہ بالا شرائط رکھی گئی ہیں جو کہ قومی اسمبلی کے ممبر بننے کے لیے ہیں، قومی اسمبلی کے ممبران کو منتخب کرنے والے عوام کے لیے ہیں، یہی شرائط اس شخص کے لیے بھی ہیں جو کوئی بھی مملکت کا سربراہ بننا چاہے گا اس کے لیے مندرجہ بالا شرائط پوری کرنا ضروری ہیں کیوں کہ قومی اسمبلی کے ممبران میں سے ہی وزیرِ اعظم کا چناؤ کیا جاتا ہے اس لیے جو شرائط قومی اسمبلی کے ممبر بننے کے لیے ہیں وہ شرائط وزیرِ اعظم بننے کے لیے بھی ہیں۔

(۱) اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور، آرٹیکل ۲۲۲، ص ۱۴۱

فصل سوم:

اسلامی نظامِ حکومت میں سربراہ کے انتخاب کا طریقہ کار

فصل سوم:

اسلامی نظام حکومت میں سربراہ کے انتخاب کا طریقہ کار

اسلامی نظام حکومت کی تعلیمات اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہیں جنہیں انبیاء نے لوگوں تک پہنچایا، انہی پیغمبروں میں سے ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے توسط سے اللہ نے اسلامی نظام حکومت کی تعلیمات اس امت کو آگاہی بخشی، اللہ نے اپنے پیغمبر ﷺ کے ذریعے ریاست، حکمرانوں کی خاطر جو نظام پیش کیا اور جو اصول بنائے اس کی مثال باقی نظاموں میں نہیں ملتی۔

علامہ ماوردی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" خلیفہ مقرر کرنا فرضہ کفایہ ہے لیکن اگر اس کام کے لیے کوئی کھڑا نہیں ہوتا تو پھر دو قسم کے لوگوں کو اٹھ کھڑا ہونا پڑے گا۔ اول اہل اجتہاد اور اہل انتخاب کو چاہیے کہ وہ کسی کو خلیفہ مقرر کریں (اگر وہ لوگ ایسا نہ کریں تو) وہ لوگ جو کہ خلیفہ بننے کی اہلیت رکھتے ہیں ان میں سے کسی ایک کو اٹھ کر خلیفہ کے اس عہدے کو سنبھال لینا چاہیے "۔

خلافت کا قیام اتنا ضروری اور اہم ہے اور اس کی اتنی فوری ضرورت ہے کہ فقہاء نے یہ بات صاف بیان کر دی کہ اگر اہل حل وعقد سستی کریں تو جن لوگوں میں خلیفہ بننے کی اہلیت ہو ان میں سے کسی ایک کو بھی خلیفہ مقرر کر دیا جائے۔ یہ کام واجب بھی ہے اور جائز بھی اور اس صورت میں خلیفہ مقرر کیا جانے والا خلیفہ مسلمانوں کا خلیفہ کہلائے گا اور اس کی اطاعت ہر خاص وعام پر یعنی سب پر لازم ہو گی۔ [1]

بالفرض اگر کوئی شخص بزور طاقت مسلمانوں کو امام بن جاتا ہے اور لوگوں کو شریعت کے مطابق چلاتا ہے تو ایسے شخص کی اطاعت بھی لازم ہے؟

فقہاء کرام نے خلیفہ کے تقرر کے چار طریقہ کار نقل کئے ہیں جس کی بنیاد پر کوئی بھی شخص خلیفہ قرار پاسکتا ہے:

(۱) اہل حل وعقد اور اصحاب الرائے کی جانب سے خلیفہ کا تقرر ہونا۔

(۲) خلیفہ کسی کو اپنا ولی عہد نامزد کر دے۔

(۳) خلیفہ ایک شوریٰ کا تقرر کرے جو کہ اس کے بعد خلیفہ کا تقرر کرے۔

(۱) ازالۃ الخفاء، ص ۱۷

(۴) تسلط و غلبہ، یعنی خلیفہ کو نہ اہل حل عقد نے مقرر کیا، نہ خلیفہ نے کسی کو ولی عہد مقرر کیا اور نہ ہی کوئی شوریٰ بنائی کہ وہ خلیفہ کا تقرر کرے بلکہ کوئی شخص مسند خلافت پر زبردستی غالب آجائے اور لوگوں کو نرمی محبت یا پھر زبردستی اپنے ساتھ ملا کر خلیفہ بن جائے۔

(۵) بس جو شخص بھی بزور تلوار خلافت کے مسند پر براجمان ہو جائے تو اس بارے میں سلف کا موقف واضح ہے کہ اگر ایسا شخص جامع الشروط ہو بھی تو جو مقصد تھا وہ حاصل ہو گیا اس لیے اس کی خلافت بہرحال تسلیم کی جائے گی۔[۱]

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فإن تغلب من له أهلية الامامة وأخذها بالقهر والغلبة فقد قيل إن ذلك يكون طريقا رابعا۔[۲]

"اگر امامت کا اہل شخص غالب ہو جائے اور امامت جبر و غلبہ سے لے لے تو یہ چوتھا طریقہ ہے (خلیفہ کے تقرر کا)"۔

امام قرطبی رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں:

وقال ابن خويز منداد: ولو وثب على الامر من يصلح له من غير مشورة ولا اختيار وبايع له الناس تمت له البيعة، والله أعلم۔[۳]

"حضرت خویز بن منداد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: امر خلافت کی صلاحیت رکھنے والا اگر کوئی شخص مشورہ اور اہل حل و عقد کے تقرر کے بغیر امر خلافت پر قابض ہو جائے اور لوگ اس کی بیعت کر لیں تو اس کی بیعت کامل ہو جائے گی (یعنی وہ خلیفہ تسلیم کی جائے گا) واللہ اعلم"

اور اگر جو شخص بزور طاقت خلیفہ بنے اور جو جامع الشرائط بھی نہ ہو تو ایسے شخص کی خلافت کو بھی فقہاء کرام نے بالاتفاق تسلیم کیا ہے بشرطیکہ وہ شریعت مطہرہ کو معطل نہ کرے اور شریعت کے مطابق حکومت کرے۔ علامہ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَقَدْ أَجْمَعَ الْفُقَهَاء عَلَى وُجُوب طَاعَة السُّلْطَان الْمُتَغَلِّب وَالْجِهَاد مَعَهُ وَأَنَّ طَاعَته ---"[۴]

---

(۱) ازالۃ الخفاء، ص ۱۷

(۲) تفسیر القرطبی، امام قرطبی، دار الفکر، بیروت ۱/ ۲۶۹

(۳) ایضاً

(۴) فتح الباری شرح صحیح البخاری، احمد بن علی بن حجر العسقلانی، دار الکتب السلفیہ، سعودی عرب، ۲/ ۵۸ رقم: ۶۵۳۰

"فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو سلطان زبردستی حاکم بن بیٹھا ہو تو (صحیح احادیث کے مطابق شرعی امور میں) اس کی اطاعت واجب ہے، اور اس کے ساتھ مل کر جہاد بھی مشروع ہے، اور یہ کہ اس کی اطاعت مسلح بغاوت سے بہتر ہے کیونکہ اسی طریقے میں خونریزی سے بچاؤ اور مصیبتوں کا ازالہ ہے"۔

امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وأجمعوا على السمع والطاعة لأمة المسلمين وعلى ان كل من ولى شيئا من امورهم عن رضى أو غلبة وامتدت طاعة من بر أو فاجر لايلزم الخروج عليهبالسيف جار او عدل"

"علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمانوں کے امام کی سمع وطاعت فرض ہے۔ اور جو شخص بھی مسلمانوں کی رضامندی یا بزور طاقت ان کا حکمران بن گیا ہو اور اس کی اطاعت نیک و بد تک پھیل گئی ہو تو ایسے حکمران کے خلاف تلوار سے خروج جائز نہیں ہے، چاہے وہ ظلم کرے یا عدل"۔

علامہ قلقشندی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فاذا مات الخليفة فتصدى للامامة من جمع شرائطها من غير عهد اليه من الخليفة المتقدم ولا بيعة من اهل الحل والعقد انعقدت امامة لينتظم -------"[1]

"جب خلیفہ کی وفات ہو جائے اور منصب امامت ایسا آدمی سنبھال لے جو جامع شرائط خلافت ہے اور اسے نہ پہلے خلیفہ نے ولی عہد بنایا ہے اور نہ ہی اہل حل وعقد نے اس کی بیعت کی ہے تو اس کی امامت منعقد ہو جائے گی تاکہ امت کا اتحاد منظم اور اجتماعیت برقرار رہے۔ اگر اس میں شرائط خلافت نہیں پائی جاتیں، اس طرح کے فاسق یا جاہل تو ہمارے شوافع کے نزدیک دو صورتوں ہیں، جن میں سے اصح یہ ہے کہ اس کی امامت بھی منعقد ہو جائے گی"۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؛

---

(۱) مآثر الانافۃ، علامہ قلقشندی، دار المعارف، ریاض، سعودی عرب، ۱/ ۵۸

"چوتھا طریقہ انعقاد خلافت کا استیلاء (یعنی غلبہ) ہے کہ جب خلیفہ فوت ہو جائے اور کوئی شخص اہل حل وعقد کے (مشورے کے) بغیر اور (خلیفہ سابق کے) خلیفہ بنائے بغیر خلافت پر قبضہ کرلے اور سب لوگوں کو تالیف قلوب یا جنگ وجبر سے اپنے ساتھ ملالے تو پھر بھی ایسا شخص خلیفہ ہو جائے گا اور اس کا جو فرمان (حکم) شریعت کے موافق ہو گا اس کی اتباع سب لوگوں پر لازم ہو گی"[1]

مولانا ابو الکلام آزاد رحمہ اللہ اپنی مشہور معروف کتاب "مسئلہ خلافت" میں اس مسئلہ پر سلف کے کلام کی روشنی میں فرماتے ہیں:

"لیکن دوسری صورت میں (یعنی کوئی شخص اہل حل وعقد کے مشورے کے بغیر ہی خلافت پر قابض ہو جائے تو) اس کی نسبت چونکہ خود احادیث صحیحہ اور اجماع صحابہ وعترۃ میں بالکل صاف صاف موجود تھا، اس لیے تمام امت بلا اختلاف اس پر متفق ہوگئی کہ جب ایک مسلمان منصب خلافت پر قابض ہو جائے اور اس کی حکومت جب جائے تو ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اسی کو خلیفہ اسلام تسلیم کرے، اسی کے سامنے گردن اطاعت جھکائے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک اہل ومستحق خلیفہ کے آگے جھکنا چاہیے۔ اطاعت واعانت کی وہ تمام باتیں جو منصب خلافت کے شرعی حقوق میں سے ہیں وہ ایسے خلیفہ کو حاصل ہو جاتی ہیں۔ اس سے روگردانی کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں۔ اس کے مقابلے میں خروج اور دعوے کا حق کسی کو نہیں پہنچتا، اگرچہ کیسا ہی افضل اور جامع الشروط کیوں نہ ہو۔ جو کوئی ایسا کرے، مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس کے مقابلے اور قتل میں خلیفہ کا ساتھ دیں۔ وہ شرعاً باغی ہے اس کو قتل کر دینا چاہیے۔ شریعت نے دوسری صورت میں یہ حکم کیوں دیا؟ اس کی علت ومصلحت اس قدر واضح ہے کہ شرح وتفصیل کی حاجت نہیں"۔[2]

اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ عبدوس بن مالک العطار کی روایت میں کہتے ہیں کہ:

---

(۱) ازالۃ الخفاء، ۱/ ۲۴

(۲) مسئلہ خلافت، مولانا ابو الکلام آزاد، مکتبہ جمال لاہور، ص ۵۹

"ومن غلب بالسيف حتی يصار خليفه وسمی امير المومنين فلايحل لاحد يومن بالله واليوم الاخر ان يبيت ولا يراه اماما برا كان او فاجراً"۔[1]

"جو تلوار کے زور پر غالب ہو یہاں تک کہ وہ خلیفہ بن جائے اور وہ امیر المومنین کہلائے تو اللہ پر ایمان رکھنے والے کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ رات اس حال میں گزارے کہ وہ اسے امام نہ سمجھے، خواہ وہ نیک ہو یا فاجر"۔

گذشتہ فصل میں مذکورہ شرائط اہلیت کے ہوتے ہوئے بھی حاکمِ مملکت کو عوام کا اعتماد بھی حاصل ہو جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں الائمۃ من قریش کہہ کر اس اصول کی تصریح فرمادی تھی۔ امیر کا انتخاب اہل شوریٰ ہی کی ذمہ داری ہے۔[2]

سربراہ کے انتخاب کا اصول

یہ بات پہلے بیان کر دی ہے کہ اہل اسلام اپنے لیے امام مقرر کریں جس کو امیر بھی کہا جاتا ہے، اس کو فقہ کی اصطلاح میں نصب امام سے تعبیر کیا جاتا ہے،، اور امیر بناتے وقت امیر کی اہلیت و قابلیت پیش نظر ہو اس کے بل بوتے پر امارت دی جائے، اس کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے، یہاں امارت سونپے جانے کے طریقے پر بات کرنی مقصود ہے۔

امارت یا مسلمانوں کا سربراہ بننے کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں کی مجلسِ شوریٰ ایک شخص کا تعین کرے کہ یہ مذکورہ شخص اسلام کی تعلیمات میں بیان کردہ اوصاف و شرائط پر پورا اترتا ہے جس کو مسلمانوں کا سربراہ یا ریاست کا حکمران بنایا جائے، ایسا نہیں ہو سکتا کہ طاقت اور خاندان کے بل بوتے پر کوئی زبردستی مسلمانوں کی مملکت کا سربراہ بن جائے قرآن میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ:

﴿ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ﴾[3]

ترجمہ: اور ان کے امور آپسی مشاورت سے طے ہوتے ہیں۔

خلیفہ کا تعین بھی ایک امر ہے لہٰذا اسے بھی شوریٰ کے ذریعے طے کیا جائے۔

سربراہ مملکت کو بذریعہ شوریٰ مقرر کرنا ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے مصلیٰ پر لوگوں کو نماز کی امامت کا کہہ دیا ہے لیکن بطورِ خلیفہ ان کا تقرر نہ کیا

---

(۱) الاحکام السلطانیۃ، ابی یعلی محمد بن الحسین الفراء الحنبلی، مکتبہ مصطفیٰ البابی، مصر، ص ۷

(۲) طبقات الاولیاء ترجمہ الطبقات الکبریٰ، عبد الوہاب الشعرانی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ۳۲

(۳) سورۃ الشوریٰ ۴۲: ۳۸

بلکہ ان کے خلیفہ بننے کو لوگوں کی رائے پر چھوڑ دیا تاکہ لوگ میرے بعد اپنا سربراہ مقرر کریں، اسی سلسلے میں ام المؤمنین سیدۃ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ:

((لَقَدْ هَمَمْتُ أَوْ أَرَدْتُ أَنْ أُرْسِلَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ وَابْنِهِ وَأَعْهَدَ أَنْ يَقُولَ الْقَائِلُونَ أَوْ يَتَمَنَّى الْمُتَمَنُّونَ ثُمَّ قُلْتُ يَأْبَى اللَّهُ -------))[1]

ترجمہ: تحقیق میرے دل میں آیا یا میں نے ارادہ کر لیا کہ ابو بکر اور ان کے فرزند کے ہاں کوئی شخص بھیجوں اور اس بات کا عہد لوں یا وصیت کروں لیکن پھر میں نے یہ سوچ کر اپنا ارادہ ترک کر دیا کہ اللہ رب العزت اس کو نہیں مانیں گے کہ ابو بکر کے علاوہ کسی کو خلیفہ بنایا جائے، یا خود مؤمنین بھی ابو بکر کے علاوہ کسی دوسرے پر راضی نہیں ہوں گے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ظاہر کرتی ہے کہ خلیفہ کا تقرر اہل اسلام پر ڈال دیا تھا، مسلمان حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا سربراہ بنائیں باوجود خواہش کے نامزد نہیں کیا۔

ہو سکتا ہے کہ اللہ نے وحی کے ذریعے بتلا دیا ہو کہ مسلمان حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی اپنا سربراہ بنائیں گے۔

یہ تو تھا خلیفہ اول کا خلیفہ بننا جبکہ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی موت کی بیماری میں چھ رکنی کمیٹی بنائی جس کے سپرد ان کے مرنے کے بعد سربراہ مملکت کا تعین لگا یا گیا ان چھ لوگوں میں جب خلیفہ کی ذمہ داری کی بھاگ دوڑ سنبھالنے سے دستبردار ہوگئے تو پھر اس کے بعد حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنی ذمہ داری پر عوام الناس کی آراء جاننے کے لیے سروے کیا۔

ثم نهض عبد الرحمٰن بن عوف رضى الله تعالىٰ عنه يستشير الناس فيهما ويجمع راى المسلمين ....حتىٰ خلص الى النساء المخدّرات فى حجاب هنّ[2]

ترجمہ: پھر حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ لوگوں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کرنے لگے اور عوام کی آراء کو جمع کرنے لگے------اور اسی آراء کو لینے کے لیے پردہ نشین خواتین کے ہاں بھی گئے۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب المرضیٰ، باب قَوْلِ الْمَرِيضِ إِنِّي وَجِعٌ أَوْ وَا رَأْسَاهْ أَوْ اشْتَدَّ بِي الْوَجَعُ وَقَوْلِ أَيُّوبَ عَلَيْهِ السَّلَام {أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ} حدیث ۵۶۶۶، ۱۴/ ۲۷۷

(۲) البدایۃ والنھایۃ، ۱۰/ ۲۱۱

یعنی مشورے سے اور لوگوں کی آراء سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کا امیر بنایا گیا، اس لیے خلیفہ کا تعین بذریعہ شوریٰ ہی عمل لایا جائے گا۔

اسلامی مملکت کے تمام امور شوریٰ کے ذریعے ہی سے طے کئے جاتے ہیں، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اسی بات ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ:

" خلیفہ کا قیام بذریعہ شوریٰ کیا جاتا ہے جبکہ بادشاہت بذریعہ سیف قائم کی جاتی ہے۔"[۱]

شوریٰ کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ:

"لاخلافة الا عن مشورة"[۲]

ترجمہ: خلافت نہیں ہے مگر مشاورت سے۔

چونکہ خلافت ایک اجتماعی چیز ہے، اس لئے مشاورت کے بغیر اس کا چلنا ممکن نہیں۔ اسلامی نظامِ زندگی و حکومت کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں تمام اجتماعی امور، اجتماعی مشورے سے ہی طے کئے جاتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

ترجمہ: جو کچھ تمہیں یہاں دیا گیا ہے، وہ محض اس زندگی کی عارضی خوشی ہے کے لئے ہے، جو اللہ کے پاس وہ زیادہ اعلیٰ، زیادہ پائیدار ہے۔ (یہ) ان کے لئے ہے جو ایمان رکھتے ہیں اور اللہ پر توکل کرتے ہیں، جو کبیرہ گناہوں اور فواحش سے بچتے ہیں اور غصے میں درگزر سے کام لیتے ہیں، جو اپنے رب کی پکار کا جواب دیتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، جن کے معاملات باہم مشورے سے انجام پاتے ہیں۔[۳]

ان آیات میں جنت کی خوشخبری پانے والوں کے ذاتی اوصاف کے ساتھ اجتماعی اوصاف بھی بیان کئے گئے ہیں، مومنین اپنے کام باہم مشورے سے انجام دیتے ہیں۔ یہ صرف ایک وصف نہیں بلکہ ایک حکم بھی ہے، اور کسی بھی اجتماعی کام کو بغیر باہم مشورہ کئے انجام دینا منع ہے۔ اصولِ اجماع، اصولِ اجتہاد کی بنیاد اسی پر رکھی گئی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر موجودگی میں ایسا معاملہ پیش آجائے جس کے متعلق قرآن میں کچھ اترا ہو نہ آپ سے کوئی بات سنی گئی ہو تو پھر کیا کیا جائے؟ اس کے جواب میں آپ نے کہا:

---

(۱) طبقات کبری، ابن سعد، ۴/ ۱۱۳

(۲) کنز العمال، ۴/ ۱۳۴

(۳) سورۃ الشوریٰ: ۴۲/ ۳۶تا۳۹

ترجمہ حدیث: میری امت کے عبادت گزار لوگوں کو جمع کرو اور اسے باہم مشورے کے لئے رکھ دو۔ [1]

کہہ دیا گیا کہ تمام اجتماعی فیصلے ایک مجلس مشاورت کے ہاتھوں انجام پانے چاہئیں لیکن مجلس کی ہیئت و ساخت کا معاملہ امت پر چھوڑ دیا گیا، کوئی واضح شکل متعین کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ وجہ یہ کہ مختلف حالات کے اعتبار سے مختلف طرح کی مجالس تشکیل دینے کی ضرورت پیش آسکتی ہے لہٰذا کوئی حکم لگا کر معاملات کو پیچیدہ بنانے کے بجائے انہیں اختیاری حیثیت دے دی گئی۔

(۱) تفسیر روح المعانی، علامہ آلوسی البغدادی، احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۷/ ۲۹۶

فصل چہارم:

جمہوری نظام حکومت میں سربراہ کے انتخاب کا طریقہ کار

فصل چہارم:

جمہوری نظام حکومت میں سربراہ کے انتخاب کا طریقہ کار

جمہوری نظام کے دو طرح کے نظام اس وقت دنیا میں رائج ہیں۔

ا۔ صدارتی جمہوری نظام حکومت

۲۔ پارلیمانی جمہوری نظام حکومت

ا۔ صدارتی جمہوری نظام حکومت

صدارتی جمہوری نظام حکومت واضح کرنے کے لیے امریکی نظامِ حکومت کو مدّ نظر رکھا گیا ہے جس کو بیان کیا جارہا ہے۔

صدارتی نظام میں سربراہِ مملکت کے انتخاب کاطریقہ کار

اس وقت دنیا میں سپر پاور کہلائی جانے والی ریاست امریکہ جہاں جمہوریت کا صدارتی نظام رائج ہے کیوں کہ امریکہ اپنے آپ کو جمہوریت کا علمبردار کہتاہے اور ہمارے جمہوریت پسند بھی امریکہ کو جمہوریت کا منبع سمجھتے ہیں اور جمہوریت میں امریکہ کو آئیڈیل قرار دیتے ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ کے صدارتی نظام پر روشنی ڈالی جائے ۔

امریکا میں صدارتی امیدوار کے انتخاب کے لیے ایک ادارے کا استعمال کیا جاتا ہے جسے الیکٹورل کالج کہا جاتا ہے۔ الیکٹورل کالج کوئی تنظیم یا کالج نہیں ہے بلکہ یہ امریکا کے بانیوں کے ذریعہ وضع کیا اور ملک کے آئین میں شامل کیا گیا ایک نظام ہے۔ اس کی تشکیل کا مقصد متعدد ممکنات (جیسے عوامی رائے دہی کے ذریعہ انتخاب، ریاستی قانون ساز اسمبلی کے ذریعہ انتخابات اور وفاقی مقننہ کے اراکین کے ذریعہ انتخاب) کے درمیان مفاہمت کرنا ہے۔ لیکن انتخاب کا طریقۂ کار وہی ہوگا جیسا کہ ہندوستان اور برطانیہ جیسے ملکوں میں صدور اور وزرائے اعظم کو چننے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ مقبولِ عام ووٹ کے اختیار کے متبادل کو اس میں اس لیے شامل نہیں کیا گیا کیوں کہ ملک کے بانیان کو خدشہ تھا کہ کہیں بے خبر عوام کسی نااہل امیدوار کا انتخاب نہ کرلیں۔ ہر انتخاب کے لیے نمائندہ اراکین کے نام سے معروف ارکان کو منتخب کیا جاتا ہے۔ یہ ارکان ملک کے رائے دہندگان کے لیے ثالث کا کردار ادا کرتے ہیں۔[1]

(ا)متحدہ ریاستہائے امریکہ، ص ۵۳

فی الوقت ان ارکان کی تعداد ۵۳۸ ہے۔ کسی صدارتی امیدوار کے انتخاب کے لیے یہ ضروری ہے کہ اسے ۲۷۰ نمائندہ ارکان کی واضح اکثریت ملے۔ نیشنل آرکائیوز وفاقی حکومت کی وہ ایجنسی ہے جو انتخابی عمل کی نگرانی کرتی ہے۔ امریکی ریاستیں پارلیمنٹ میں موجود ان کے اراکین کی تعداد کے مساوی نمائندہ ارکان رکھنے کا حق رکھتی ہیں۔ ہر ریاست کے ایوانِ بالا (سینیٹ) میں دو اراکین (سینیٹر) ہوتے ہیں۔ جب کہ ایوانِ زیریں یعنی ایوانِ نمائندگان (ہاؤس آف ریپریزینٹیٹو) میں اراکین کی تعداد مختلف ہوتی ہے۔ کسی مخصوص ریاست کی آبادی کے لحاظ سے امریکی پارلیمنٹ (کانگریس) میں عوامی نمائندوں کی تعداد ہر دس برس میں تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ کیلی فورنیا میں فی الحال نمائندہ ارکان کی تعداد سب سے زیادہ یعنی ۵۵ ہے۔ اس کے بعد ٹکساس کا نمبر آتا ہے جس کے نمائندہ ارکان کی تعداد ۳۸ ہے۔ پھر نیویارک اور فلوریڈا کا نمبر ہے جن میں ہر ریاست کے پاس ۲۹ اراکین ہیں۔ امریکی ریاستوں میں سے ۷ ریاستیں ایسی ہیں جن کی آبادی کم ہے۔ اس لیے ان میں سے ہر ایک کے پاس محض ۳ نمائندہ اراکین ہیں۔ ڈسٹرکٹ آف کولمبیا نہ تو کوئی ریاست ہے اور نہ ہی امریکی پارلیمنٹ میں اس کی کوئی نمائندگی ہے مگر اس کے نمائندہ اراکین کی تعداد بھی ۳ ہی ہے۔ ڈسٹرکٹ آف کولمبیا کے نمائندہ اراکین کی تعداد امریکا کی فی الوقت سب سے کم آبادی والی ریاست وائیومنگ کے اراکین کی تعداد کے مساوی ہے۔[1]

صدر کا انتخاب الیکٹورل کالج کرتا ہے جس میں ہر ریاست کے نمائندے شامل ہوتے ہیں۔ ہر ریاست کے نمائندوں کی تعداد اس ریاست کے سینیٹروں اور ارکانِ کانگریس کی تعداد کے برابر ہوتی ہے۔ امیدوارِ صدارت عوامی ووٹوں کا بڑا حصہ حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ الیکٹورل ووٹوں کا بڑا حصہ بھی حاصل کرے کیونکہ اگر وہ عوامی انتخاب میں سبقت لے جانے کے باوجود الیکٹورل ووٹوں میں پیچھے رہ جانے سے عوامی کامیابی کا بے فائدہ ہوتی ہے۔[2] یہ انتخابی طریق کار کسی قدر مشکوک سا ہے اور یہ خدشہ ہمیشہ موجود رہتا ہے کہ کوئی امیدوار عوامی ووٹ حاصل کر لینے کے باوجود الیکٹورل ووٹوں کی بنیاد پر صدر بننے میں ناکام ہو جائے۔ ۱۸۸۸ء میں ڈیموکریٹک پارٹی کے امیدوار گروور کلیولینڈ کو اسی اصول کی بناء پر ری پبلکن امیدوار بنجامن ہیریسن کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا اور اس کی تازہ ترین مثال ۲۰۰۰ء کے الیکشن میں سامنے آئی جب ڈیموکریٹ امیدوار ایل گور، ری پبلکن امیدوار جارج ڈبلیو بش کے ۰۸۰، ۴۶۱، ۵۰ عوامی ووٹوں کے مقابلے میں ۰۸۲، ۹۹۴، ۵۰ عوامی ووٹ حاصل کرنے کے باوجود عہدۂ

---

(۱) متحدہ ریاستہائے امریکہ، ص ۵۹

(۲) ایضاً

صدارت تک نہ پہنچ سکے کیونکہ الیکٹورل ووٹوں میں سے جارج بش ان کے ۲۶۶ ووٹوں کے مقابلے میں ۲۷۱ ووٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان انتخابی نتائج نے ایک گمبھیر تنازعہ کھڑا کر دیا۔[1]

نمائندہ اراکین کے انتخاب طریقہ کار

نمائندہ اراکین کا انتخاب کئی طریقے سے کیا جاتا ہے۔ اراکین عام طور سے اپنے انتخاب کے لیے اپنی پارٹی کے ریاستی جلسے میں یا مرکزی کمیٹی کے اجلاس میں مہم چلاتے ہیں۔ اس عمل کی تکمیل کے لیے ہر ریاست کے اپنے اپنے اصول وضوابط ہوتے ہیں۔ امریکی آئین ایوانِ بالا کے ارکان، ایوانِ نمائندگان کے ارکان اور وفاقی دفاتر میں کام کرنے والوں کو نمائندہ ارکان کے طور پر خدمات انجام دینے کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ آئین نے انہیں بھی نمائندہ ارکان بننے کی اجازت نہیں دی ہے جو امریکا کے خلاف کسی طرح کی باغی سرگرمیوں میں ملوث رہے ہوں یا جنہوں نے اس کے دشمنوں کی مدد کی ہو۔ نمائندہ ارکان کے طور پر جن اشخاص کا انتخاب ہوتا ہے ان میں سے اکثر اپنی سیاسی جماعت کا کافی طویل عرصے سے حصہ ہوتے ہیں یا صدارتی امیدواروں سے ان کی ذاتی یا سیاسی وابستگی ہوتی ہے۔ اس سیاسی عمل میں نووارد افراد کی شمولیت بھی ہو سکتی ہے مگر ایسا خال خال ہی ہوتا ہے۔ انتخابات کے روز ہر ریاست میں عام رائے دہندگان اپنی پسند کے صدارتی امیدوار کے لیے ووٹ کرتے ہوئے نمائندہ ارکان کا انتخاب کرتے ہیں۔ بیلَٹ (ووٹ ڈالنے کے لیے استعمال کی جانے والی پرچی جس پر امیدواروں کا نام اور ان کا انتخابی نشان درج ہوتا ہے) پر صدارتی امیدوار کے نام کے نیچے نمائندہ ارکان کے نام تحریر ہو بھی سکتے ہیں اور نہیں بھی۔ یہ کسی مخصوص ریاست کے طریقۂ کار پر منحصر کرتا ہے۔ اس طور پر جب لوگ صدارتی امیدوار کے لیے ووٹ کرتے ہیں تو اصل میں وہ اس امیدوار کے نمائندہ ارکان کے لیے ووٹ ڈالتے ہیں۔ نمائندہ ارکان پر وفاقی قانون یا آئین کی جانب سے نومبر میں کی جانے والی صدارتی امیدوار کی ووٹنگ کے نتائج کے اعتبار سے ووٹ ڈالنے کی پابندی نہیں ہوتی مگر بعض ریاستوں میں نمائندہ ارکان پر ایسا ہی کرنے کی لازمیت بھی ہوتی ہے۔ عام طور پر نمائندہ ارکان سے اپنی پارٹی کے امیدواروں کے لیے ووٹ ڈالنے کا عہد وپیمان کرایا جاتا ہے۔ اس نظام کے وضع کیے جانے کے بعد سے نمائندہ ارکان نے ۹۹ فی صد اپنے امیدواروں کے لیے ہی ووٹ کیا ہے اور اب تک کسی کو عہد شکنی کے لیے کوئی سزا نہیں دی گئی ہے۔ ملک کی بڑی اکثریت نومبر میں کی جانے والی صدارتی امیدوار کی ووٹنگ کے نتائج کا احترام بھی کرتی ہے۔ متناسب نمائندگی کا نظام استعمال کرنے والی ریاست مین اور نیبراسکا کے علاوہ تمام امریکی ریاستیں وِنر ٹیک آل طریقے کا استعمال کرتی ہیں۔ یعنی کامیاب امیدوار کو اس ریاست میں اس کی پارٹی کے تمام نمائندہ ارکان مل جاتے ہیں۔[2]

---

(۱) جمہوریت کی کہانی، ص ۲۱

(۲) متحدہ ریاستہائے امریکہ، ص ۶۲

نمائندہ ارکان کے ووٹ

صدارتی امیدواری کی ووٹنگ کے بعد نمائندہ ارکان اپنی پسند کے صدر اور نائب صدر کو ووٹ ڈالنے کے لیے ہر ریاست میں دسمبر میں دوسرے بدھ کے بعد پڑنے والے پہلے سوموار کو(اس سال ۱۹ دسمبر کو) ملتے ہیں۔ ان نمائندہ ارکان کے ووٹوں کی گنتی جنوری میں کانگریس کے مشترکہ اجلاس میں کی جاتی ہے۔ اس بار ووٹوں کی گنتی ۶ جنوری ۲۰۱۷ کو کی گی۔ اگر صدر یا نائب صدر کے عہدے کا کوئی بھی امیدوار ۲۷۰ ووٹ حاصل نہیں کر پاتا ہے تو ایوانِ زیریں یعنی ایوانِ نمائندگان صدر کا انتخاب کرتی ہے اور ایوانِ بالا یعنی سینیٹ نائب صدر چنتی ہے۔ (۱)

نمائندہ ارکان کی ووٹنگ میں کامیاب نہ ہونے والے مواقع

امریکا کی تاریخ میں اب تک چار مواقع ایسے آئے ہیں جب صدارتی امیدواری کی ووٹنگ میں کامیاب ہونے والا امیدوار نمائندہ ارکان کی ووٹنگ میں کامیاب نہیں ہو پایا۔ ایسا سب سے پہلے ۱۸۲۴ میں، پھر ۱۸۷۶ میں اوراس کے بعد ۱۸۸۸ میں ہوا۔ حال کی بات کریں تو سنہ ۲۰۰۰ کے انتخابات میں الگور نے صدارتی امیدواری کی ووٹنگ میں کامیابی حاصل کی مگر الیکٹورل کالج نے صدر کے عہدے کے لیے جارج ڈبلیو بش کا انتخاب کیا۔ نیشنل آرکائیوز کے مطابق، حوالہ جاتی ذرائع بتاتے ہیں کہ دو سو سالہ مدت کے دوران امریکی کانگریس میں الیکٹورل کالج میں تبدیلی کے لیے یا اسے ختم کرنے کے لیے سات سو سے زیادہ تجاویز پیش کی گئیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ الیکٹورل کالج ایسی واحد چیز ہے جس کو تبدیل کرنے کے لیے امریکی آئین میں ترمیم کی تجاویز کئی دفعہ پیش ہوئی ہیں ۔ آئین میں ایسی کوئی دوسری چیز نہیں جسے بدلنے کے لیے اس قدر مشورے سامنے آئے۔ (۲)

پارلیمانی نظام ملک کا سربراہ کیسے بناتا ہے۔

پاکستان میں رائج اس وقت جمہوریت کا پارلیمانی نظام ہے، دستور پاکستان مملکت کا سربراہ منتخب کرنے میں راہنمائی فراہم کرتا ہے، دستور پاکستان میں ہے کہ جب ملک میں انتخابات ہو جائیں اور قومی اسمبلی کے ممبران کا تعین ہو جائے تو پاکستان کا صدر قومی اسمبلی کا اجلاس بلائے گا جو کہ زیادہ سے زیادہ انتخابات کے ۲۱ دنوں تک مؤخر کیا جا سکتا ہے، قومی اسمبلی کے انتخابات کے بعد اس پہلے اجلاس میں قومی اسمبلی کے ممبران کی اکثریت قومی اسمبلی کے ممبران میں سے مسلم ممبر کا بطورِ قائدِ ایوان چناؤ کرے گی، وزیرِ اعظم بننے کے لیے سادہ اکثریت یعنی ۱۷۲

---

(۱) متحدہ ریاستہائے امریکہ، ص ۶۲

(۲) ایضاً، ص ۶۸

ارکان کی حمایت حاصل کرنا لازمی ہے، یا جن نشستوں پر انتخاب ہوا ہو اور جن کا نوٹیفکیشن الیکشن کمیشن جاری کر چکا ہو اس کی سادہ اکثریت کی حمایت درکار ہوتی ہے۔[1]

پارلیمانی نظام میں مملکت کے امور وزیرِ اعظم سرانجام دیتا ہے ،وزیرِ اعظم اپنی پوری ٹیم کے ساتھ پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے یعنی ایک لحاظ سے وزیرِ اعظم قوم کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے کیوں کہ پارلیمنٹ میں قوم کے نمائندگان موجود ہوتے ہیں، حالانکہ قوم براہِ راست بھی وزیرِ اعظم سے جواب مانگ سکتی ہے لیکن اس کا موقع ہر انتخابات کے وقت آتا ہے جہاں قوم اپنے مستقبل کا فیصلہ کرتے ہوئے وزیرِ اعظم کی سابقہ کارکردگی اور جوابدہی کو تسلیم کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کرتی ہے۔

---

(۱) اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور، آرٹیکل ۹۴، ص ۵۹

باب چہارم:

اسلامی و جمہوری نظام حکومت میں سربراہان کے اختیارات اور اصول

فصل اول: اسلامی نظامِ حکومت میں سربراہ مملکت کے اختیارات کے اصول

فصل دوم: جمہوری نظامِ حکومت میں سربراہ مملکت کے اختیارات کے اصول

فصل سوم: اسلامی نظام حکومت میں سربراہ مملکت کے اختیارات

فصل چہارم: جمہوری نظام میں سربراہ مملکت کے اختیارات

فصل اول:

اسلامی نظامِ حکومت میں سربراہ مملکت کے اختیارات کے اصول

فصل اول:

اسلامی نظامِ حکومت میں سربراہ مملکت کے اختیارات کے اصول

اسلامی نظام حکومت کا سب سے پہلا اور بنیادی وصف، جو اسے دیگر تمام نظام ہائے حکومت سے منفرد بناتا ہے، اسلام میں اقتدارِ اعلیٰ عوام کے ہاتھ میں ہونے کے بجائے خدا کا خاصہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس وصف کی رُو سے، حکم دینے اور فیصلہ کرنے کا اختیار بھی صرف اللہ کو ہی حاصل ہے، انسانوں کو چاہئے اس کے دیئے ہوئے حکم کی پیروی اور اس کے کئے ہوئے فیصلے کی پابندی کریں۔

﴿ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ--- ﴾ (1)

ترجمہ: حکم اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے۔ اس کا فرمان ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی صحیح دین ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

ان کے علاوہ اسی مفہوم کی اور بھی بے شمار آیات ہیں، خلاصہ ان سب کا یہی ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ اور حتمی فیصلہ کرنے اور حکم لگانے کا اختیار صرف اللہ کو ہے، اور کسی کو نہیں۔ بندے صرف اتنا کر سکتے ہیں کہ اس کی دی ہوئی عقل کی رہنمائی میں، اس کی متعینہ حدود کی پابندی کرتے ہوئے اپنے معاملات کی جزوی تنظیم کرتے رہیں۔ حتمی اور آخری فیصلہ اسی کے ہاتھ میں ہے۔

اقتدارِ اعلیٰ مکمل اور بلا شرکت غیرے اللہ کو حاصل ہے اسی کی پیروی بنیادی اہمیت کی حامل ہے لیکن اس اقتدارِ اعلیٰ کے نفاذ کے لئے پیغمبر ﷺ اور اولی الامر کی پیروی بھی لازمی ہے

اللہ کا ارشاد ہوتا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ ------﴾ (2)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے اولی الامر ہوں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے پر نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف پھیر دو، اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔“

---

(۱) سورۃ یوسف: ۱۲/ ۴۰

(۲) سورۃ النساء: ۴/ ۵۹

اس آیت کا واضح مطلب یہ نکلتا ہے کہ حکومت کے اختیارات محدود اور قانونِ الٰہی کے تابع ہوتے ہیں۔ حکومت کوئی ایسا حکم نہیں دے سکتی اور نہ ہی کوئی ایسی پالیسی اختیار کر سکتی ہے جو ان قوانین کے دائرے سے باہر ہو۔

چونکہ قوانین الٰہی کا اطلاق بلا تمیز منصب ہر ایک پر ہوتا ہے، اس لئے قانونی مساوات اسلامی نظام حکومت کا دوسرا اہم وصف بن کر سامنے آتا ہے۔ اسلام یقیناً مساوات کا درس دیتا ہے لیکن یہ بھی ذہن میں رہے کہ یہ مساوات مطلق نوعیت کی نہیں ہوتی۔ ہو بھی کیسے سکتی ہے؟ ڈھونڈنے سے بھی کوئی دو فرد ایسے نہ ملیں گے جو ہر اعتبار سے برابر ہوں۔ انسانوں کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں میں کہیں نہ کہیں فرق ہوا ہی کرتا ہے۔ کوئی کسی اعتبار سے برتر اور کسی اعتبار سے کمتر ہو سکتا ہے۔ اس لئے اسلامی جمہوریہ کی مساوات کا اطلاق قانون اور شہری حقوق کے اعتبار سے کیا جاتا ہے۔ ملک کے ہر فرد کو ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کے یکساں مواقع فراہم کرتی ہے۔ رنگ، نسل، ذات پات، جنس، عمر اور سماجی مرتبے کی کوئی قید نہیں لگاتی۔ معاشرتی مساوات کا یہ وہ پہلو ہے جسے دنیا کی بڑی بڑی حکومتیں بھی اپنے ہاں پوری طرح رائج نہیں کر سکیں۔

امت پر امیر کی اطاعت واجب قرار دی گئی ہے لیکن اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو اطاعت امیر پر مقدم رکھا گیا ہے۔ گویا حقیقی معنوں میں ایک مسلمان صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا پابند ہوتا ہے اور باقی تمام پابندیوں سے آزاد۔

سربراہِ مملکت کو جو اختیارات ملتے ہیں وہ اللہ کی طرف سے عطاء کئے جاتے ہیں دراصل خلیفہ ان کے نفوذ میں اللہ کی نیابت کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔

قرآن مجید کی آیت میں اس کو بیان کیا گیا ہے کہ:

﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۗ﴾ (۱)

ترجمہ: بے شک پیدا کرنے والا وہ ہے لہٰذا حکم بھی اسی کا ہے۔

ریاست ایک ایسا معاشرتی ادارہ ہے جس کا قیام فرد کے دینی اور دنیاوی معاملات کو ایک ضابطہ حیات کا پابند بناتا ہے، جس کے بنیادی اجزاء میں فرد، علاقہ، انتظامیہ، حکومت عاملہ، دستور یا آئین اور اقتدارِ اعلیٰ کا تصور شامل ہیں۔ اسلامی ریاست صرف آخری جز کے اعتبار سے جدید مغربی تصورِ ریاست سے واضح اختلاف رکھتی ہے۔ بقیہ اجزاء کے لئے طریقہ کار میں اختلاف پایا جا سکتا ہے لیکن انہیں کسی بھی سطح پر مسترد نہیں کیا جاتا۔ مغربی تصورِ

---

(۱) سورۃ الاعراف: ۷/۵۴

ریاست کے مطابق اقتدارِ اعلیٰ یا تو فردِ واحد کے ہاتھ میں ہوتا ہے یا چند منتخب افراد کی ایک مجلس کے ہاتھ میں جبکہ اسلامی تصورِ ریاست کے مطابق اقتدارِ اعلیٰ صرف خدا کی ذات کو حاصل ہے۔[۱]

کوئی انسان خدا کا خلیفہ تو بن سکتا ہے، مقتدرِ اعلیٰ نہیں۔ یہ حق صرف ربِ کائنات کو ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

اللہ کا راشاد ہے کہ

﴿قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ -------﴾[۲]

ترجمہ: کہو، کون تم کو آسمان وزمین سے رزق دیتا ہے؟ سماعت وبینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں؟ ------------- پھر تو وہ اللہ ہی تمہارا حقیقی رب ہے۔ آخر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا رہ جاتا ہے۔ تم کدھر پھرے جا رہے ہو۔

خلافت

قرآن کریم میں جہاں جہاں خلیفہ کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس کے بعد الارض کا لفظ بھی آیا ہے اور اس ضمن میں نازل ہونے والی آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے بنی آدم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ اسی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ کا فرمان ہے کہ:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ-----﴾[۳]

ترجمہ: اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے لگا ہوں تو فرشتوں نے کہا کہ آپ زمین میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتے ہیں جو خرابیاں کرے اور کشت وخون کرتا پھرے اور ہم آپ کی تعریف کے ساتھ تسبیح وتقدیس کرتے رہتے ہیں (خدا نے) فرمایا میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔"

فرشتوں کو چھوڑ کر بنی آدم کو زمین میں خلیفہ بنانے سے جہاں اس کے اشرف المخلوقات ہونے کی گواہی ملتی ہے، وہیں زمینی مخلوقات پر اس کی حکمرانی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

ارشادِ ربانی سے اس کی تصدیق ہوتی ہے:

﴿أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ﴾[۴]

---

(۱) عدالت اجتماعی در اسلام، ص ۹۳

(۲) سورۃ یونس: ۱۰/ ۳۲،۳۱

(۳) سورۃ البقرۃ: ۲/ ۳۰

(۴) سورۃ النمل: ۲۷/ ۶۲

ترجمہ: بھلا کون بے قرار کی التجا قبول کرتا ہے جب وہ اس سے دعا کرتا ہے اور (کون اس کی) تکلیف کو دور کرتا ہے اور (کون) تم کو زمین میں (اگلوں کا) جانشین بناتا ہے (یہ سب کچھ خدا کرتا ہے) تو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے (ہرگز نہیں مگر) تم بہت کم غور کرتے ہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ

﴿ هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَمَن كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ ------ ﴾ (۱)

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے تم کو زمین میں (پہلوں کا) جانشین بنایا تو جس نے کفر کیا اس کے کفر کا ضرر اسی کو ہے اور کافروں کے حق میں ان کے کفر سے پروردگار کے ہاں ناخوشی ہی بڑھتی ہے اور کافروں کو ان کا کفر نقصان ہی زیادہ کرتا ہے۔

اس طرح سے خلافت ہر انسان کے حصے میں آئی ہے، لیکن ہے یہ نہایت دقت اور مشقت کی متقاضی ہے۔ یہ جہاں فخر کا مقام ہے، وہیں جائے احتیاط بھی ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ ایک انسان کی حیثیت سے زمین پر خدا کے نائب کی ذمہ داری اٹھانا، اسی دنیا میں پل صراط پر چلنے سے مترادف ہے تو غلط نہ ہوگا۔ یہ ذمہ داری دے کر خدا نے نہ صرف انسان کا درجہ بلند کیا بلکہ اس کے لئے ایک کڑی آزمائش بھی مقرر کر دی۔ میں کلام ربانی ہمیں بتاتا ہے:

﴿ هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَمَن كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ ------ ﴾ (۲)

ترجمہ: اور وہی تو ہے جس نے زمین میں تم کو اپنا نائب بنایا اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کئے تاکہ جو کچھ اس نے تمہیں بخشا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے بے شک تمہارا پروردگار جلد عذاب دینے والا ہے اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان بھی ہے۔

دنیاوی انعامات اور اخروی اکرام ان لوگوں کے منتظر ہیں، جو اس بارِ گراں کو خدائی تحفہ سمجھ کر اٹھائیں، لڑکھڑائے بغیر دنیا کا راستہ طے کریں، اور منزل پر پہنچ کر اس بوجھ کو بہ تمام و کمال بوجھ دینے والے کے حوالے کر کے سبکدوش ہوں۔ قرآن کریم نے اسے صریح الفاظ میں بتایا گیا ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ---------﴾ (۳)

---

(۱) سورۃ فاطر: ۳۵/ ۳۹

(۲) سورۃ الانعام: ۶/ ۱۶۵

(۳) سورۃ النور: ۲۴/ ۵۵

ترجمہ:: تم میں سے وعدہ کیا ہے اللہ نے ان سے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے کہ وہ ضرور انہیں خلافت دے گا، زمین میں جس طرح ان کے پہلوں کو خلیفہ بنایا۔

کسی کو خلافت بخش دینا یا کسی سے خلیفہ ہونے کا منصب چھین لینا، محض خدا کے ہی کام ہیں۔

﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ-----------﴾ [1]

"کہو کہ اے خدا (اے) بادشاہی کے مالک تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل کرے۔ ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

بنیادی اصول قرآن کی تعلیمات ہیں جن سے حاکم یا خلیفہ کو اختیارات ملتے ہیں جس کے ملنے کے بعد وہ ملک کا نظم ونسق چلاتے ہیں۔

(۱)سورۃ آلِ عمران:۲۶/۳

فصل دوم:

جمہوری نظامِ حکومت میں سربراہ مملکت کے اختیارات کے اصول

فصل دوم:

جمہوری نظامِ حکومت میں سربراہ مملکت کے اختیارات کے اصول

جمہوری ملک میں سربراہِ مملکت کو جو اختیارات ملتے ہیں ان اختیارات کی بنیاد ملک کا آئین ہوتا ہے اور جمہوری ریاست کا آئین طے کرتا ہے کہ سربراہ کو کتنا اور کونسا اختیار حاصل ہے۔ان اختیارات میں وقت کے ساتھ ساتھ ردوبدل کیا جاسکتا ہے۔

ا۔ مملکت کا آئین

تنظیمی ڈھانچے کی بنیاد:

آئین کسی مملکت کا وہ اساسی قانون ہوتا ہے، جو اس مملکت کے نظریات، تصورات اس کے اندرونی نظم و نسق کے بنیادی اُصولوں اور اس کے مختلف شعبوں کے درمیان فرائض اور اختیارات کی حدود کا تعین کرتا ہے۔زمانۂ قدیم میں آئین کا اہم ترین کام اس بات کا تعین کرنا تھا کہ ملک پر کون حکومت کرے۔ کسی فرد کو ملک کا سیاسی اختیار تفویض کرنے کی بنیاد کا معیار اس ملک کے معاشرتی نظام کے جذباتی روّیوں اور طرزِ عمل کی عکاسی کرتا تھا۔ خواہ آئین کی کوئی بھی وضع ہو، وُہ عوام کے اخلاق پر اثر انداز ہوتا تھا۔ اگرچہ جدید دساتیر زیادہ پیچیدہ ہوتے ہیں لیکن کسی ریاست میں حکومتی اختیار حاصل کرنے اور اسے بروئے کار لانے والے قوانین اور قواعد عام طور پر معاشرے کے اساسی عقائد و نظریات اور تصورات و اقدار کا احاطہ کرتے ہیں اور روزمرہ زندگی میں ان کے معاشرتی روّیوں، طرزِ عمل اور اطوار و اخلاق کی نمائندگی کرتے ہیں۔ جمہوری نظام حکمرانی میں سربراہِ مملکت کو جو اختیارات حاصل ہوتے ہیں وہ درج ذیل بنیادوں پر حاصل ہوتے ہیں۔

آئین کے تحت، وفاق کے انتظامی اختیار کا اطلاق ان معاملات پر ہوگا جن کے بارے میں مجلسِ شوریٰ (پارلیمنٹ) کو قوانین وضع کرنے کا اختیار ہے۔ ان معاملات میں پاکستان میں اور اس سے باہر کے علاقوں کے متعلق حقوق، اختیار اور دائرہ اختیار کو بروئے کار لانا شامل ہے؛ مگر شرط یہ ہے کہ مذکورہ اختیار کا، سوائے اس کے کہ آئین میں یا مجلسِ شوریٰ (پارلیمنٹ) کے وضع کردہ کسی قانون میں بالصراحت موجود ہو، کسی صوبے میں کسی ایسے معاملہ پر اطلاق نہیں ہوگا جس کے بارے میں صوبائی اسمبلی کو بھی قوانین وضع کرنے کا اختیار ہوگا۔ (۱)

---

(۱) اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور، آرٹیکل ۹۸،۹۹

انتظامی اختیار کا استعمال:

(۱) وفاق کا انتظامی اختیار، وزیر اعظم اور وفاقی وزراء پر مشتمل وفاقی حکومت، صدر کے نام پر بروئے کار لائے گی۔ وفاق ی حکومت وزیر اعظم کے ذریعے اپنے فرائض ادا کرے گی۔ وزیر اعظم وفاق کا منتظم اعلیٰ ہو گا۔ اپنے کارہائے منصبی انجام دینے کے لیے وزیر اعظم براہ راست یا وفاقی وزراء کے ذریعے عمل کرے گا۔

(۲) وفاقی حکومت کی سفارش پر مجلسِ شوریٰ (پارلیمنٹ) قانون کے ذریعے وفاقی حکومت کے افسران یا ماتحت ہیئت ہائے مجاز کو کارہائے منصبی تفویض کر سکتی ہے۔ [۱]

وفاقی حکومت کے کام کی انجام دہی:

آئین کے آرٹیکل ۹۰ کی رُو سے وفاقی حکومت کے تمام انتظامی اقدامات صدر مملکت کے نام سے کیے جاتے ہیں۔ آئین کے تحت وفاقی حکومت کو اختیار حاصل ہے کہ قواعد کے ذریعے ان احکام اور دیگر دستاویزات کی توثیق کے طریقے کی صراحت کرے جو صدر کے نام پر وضع یا جاری کی گئی ہوں اور اس طرح توثیق شدہ کسی حکم یا دستاویز کے جواز پر کسی عدالت میں اس بنا پر اعتراض نہیں کیا جائے گا کہ اس کو صدر نے وضع یا جاری نہیں کیا تھا۔ آئین کے آرٹیکل ۹۹ کی رُو سے وفاقی حکومت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ اپنے کام کی تقسیم اور انجام دہی کے لیے قواعد وضع کرے۔ [۲]

قواعد کار، ۱۹۷۳ء:

آئین کے آرٹیکلز ۹۰ اور ۹۹ کی رُو سے عطا کردہ اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے وفاقی حکومت نے اپنے کام کی تقسیم اور انجام دہی کے لیے قواعد کار، ۱۹۷۳ء وضع کیے جو ۱۴، اگست ۱۹۷۳ء کو نافذ العمل ہوئے۔ ان قواعد کار میں وفاقی سطح پر وزارتوں / ڈویژنوں کی تشکیل و تنظیم اور ان کی فہرست، ڈویژنوں کے مابین تقسیم کار، وفاقی حکومت کے کام کی انجام دہی کے رہنما اُصول، ڈویژنوں میں مشاورت، وزیر اعظم اور صدر مملکت سے رجوع کرنے کا طریقہ کار، کابینہ کا طریقہ کار، قانون سازی کا طریقہ کار، مجلسِ شوریٰ (پارلیمنٹ) سے تعلقات کار، صوبوں کے ساتھ تعلقات، ہنگامی حالات میں اقدامات لینے کا طریق کار اور متفرق اقدامات شامل ہیں۔ [۳]

---

(۱) اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور، آرٹیکل ۹۸،۹۹

(۲) ایضاً، آرٹیکل ۹۰،۹۹

(۳) ایضاً

طاقت کا سرچشمہ (اقتدار اعلیٰ) عوام کی ملکیت:

جمہوریت میں سربراہِ مملکت اگرچہ حاکم ہوتا ہے لیکن جمہوریت میں اقتدار اعلیٰ عوام کی ملکیت ہوتا ہے۔ جمہوری حکومت سے مراد ایک ایسی حکومت ہے جو شخصی حکومت کی ضد ہو۔ جس میں کوئی ایک شخص مطلق العنان نہ ہو بلکہ رعایا کے تمام طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد شریک حکومت ہوں۔ یہ حکومت کلی طور پر خود مختار نہیں ہوتی۔ اسے دیہاتی پنچایت یا جرگے کی ایک وسیع اور ترقی یافتہ شکل بھی کہہ سکتے ہیں۔ زمانہ حال کی اصطلاح کے مطابق جمہوری حکومت ایک ایسی حکومت کو کہتے ہیں جس میں حکومتی امور اکثریتی رائے کو مدنظر رکھتے ہوئے چلائے جائیں اور جس میں عوام کے منتخب کئے ہوئے نمائندے ایک مقررہ مدت تک اپنے فرائض انجام دینے کے بعد ایک مرتبہ پھر عوام کے سامنے اپنی خدمات کے گوشوارے لے کر پہنچیں اور ان کے استناد اور مضبوطی کی بنیاد پر ایک مرتبہ پھر انتخاب کی جنگ جیتنے کی کوشش کریں۔[1]

جمہوریت کا ایک عمومی تعارف ضبط تحریر میں لایا جائے تو وہ کچھ یوں ہوگا:

ایک سیاسی نظام جس میں ایک ملک کے عوام اپنی پسند کے کسی بھی طرزِ حکومت کے تحت نظامِ حکومت چلاتے ہیں۔ جدید جمہوری حکومتوں میں، زیادہ تر اقتدارِ اعلیٰ عوام کے منتخب کردہ نمائندوں کے ایک گروہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ان نمائندوں کو عوام ووٹ کے ذریعے مقررہ مدت پوری کرنے سے پہلے بدل بھی سکتے ہیں اور کم از کم اصولی طور پر یہ نمائندے اپنے منتخب کنندگان کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں۔ کئی جمہوری حکومتوں میں، سربراہِ مملکت اور مقننہ دونوں عوام کے ووٹوں سے منتخب ہو کر برسرِ اقتدار آتے ہیں۔ برطانیہ اور ناروے جیسی آئینی بادشاہتوں میں صرف مقننہ عوام کی منتخب کردہ ہوتی ہے اور کابینہ اور وزیر اعظم کا انتخاب انہی میں سے کیا جاتا ہے۔[2]

ایک ایسا نظام ہے جس میں شہریوں کو ووٹنگ کی ذریعے سے طاقت ملتی ہے۔ جس کے نتیجے میں مجموعی طور پر حکومتی ادارے تشکیل پاتے ہیں اور ہر مسئلے پر براہ راست ووٹ دیتے ہیں۔ جمہوریت میں شہری اپنے لیے نمائندے منتخب کرتے ہیں۔ یہ نمائندے حکومتی ادارے میں قانون سازی کرتے ہیں ۔ ایک آئینی جمہوریہ میں اکثریت ایک نمائندہ جمہوریہ کے فریم ورک کے اندر ہی استعمال کی جاتی ہے، لیکن آئین اکثریت کو محدود کرتا

---

(1) Democracy,encyclopaedia Britannica,William Benton,frederick 1970, p ۱۰

(۲) حجۃ اللہ البالغہ، ص۲۳۵

ہے اور اقلیت کی حفاظت کرتا ہے، عام طور پر ہر فرد انفرادی حقوق کے ذریعے لطف اندوز ہوتا ہے۔ جیسے تقریر کی آزادی، یا ایسوسی ایشن کی آزادی۔ (۱)

"اکثریت کے اصول" عام طور پر جمہوریت کے معنٰی کے طور پر جانا جاتا ہے۔

جان لوکی نے لکھا: "اکثریت سیاسی قاعدہ" ہر فرد کو پابند کرتا ہے کہ اکثریت کی رضامندیاں لینے کے لیے کوئی اور متبادل نہیں ہے۔ اجتماعی طور پر کام کرنے سے قبل ہر فرد کی رضامندی حاصل کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے لوگ کوئی منطقی خواہش نہیں کر سکتے جس سے معاشرہ قائم کر سکتے۔ کیونکہ اکثریت حتمی فیصلہ کرنے سے قاصر ہونے کی وجہ معاشرہ ایک جسم کے طور پر کام کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ (۲)

عوام کو جواب دہ ہونا:

جس طرح جمہوری حکومت عوام کو جواب دہ ہوتی ہے اسی طرح جمہوری مملکت کے سربراہان عوام کو جواب دہ ہوتے ہیں جمہوریت ایک طرزِ حکومت ہے جس میں تمام اختیارات عوام کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اور وہ ان کا استعمال براہِ راست یا منتخب نمائندگان کے ذریعے کرتے ہیں۔ معاشرے کی ایک شکل جس میں رنگ نسل زبان اور مذہب سے قطع نظر، سب کے لئے مساوی حقوق فراہم کئے جاتے ہیں اور اقلیتوں کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ (۳)

---

(۱)Democracy,encyclopaedia Britannica, , p 215

(۱)Defination of democracy, www.merriam- Webster.com ,5 july 2018

(۳) اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور، آرٹیکل ۱۶۸، ص ۹۶

فصل سوم:

اسلامی نظامِ حکومت میں سربراہ مملکت کے اختیارات

فصل سوم:

اسلامی نظامِ حکومت میں سربراہ مملکت کے اختیارات

اسلام سب سے اولین جو فرائض حاکم کو تفویض کرتا ہے وہ حکمران کو اس بات کا پابند بناتے ہیں کہ حکمران اپنی رعایا کو انصاف فراہم کرے۔ عدل کے معاملے میں اسلام میں کہیں کوئی لاگ لپٹ نہیں رکھی گئی۔ قانون کی خلاف ورزی کرنے والا ہر فرد مستوجب سزا اور قابلِ گرفت ہوتا ہے، اس سے قطع نظر کہ اس کا تعلق کس قوم یا قبیلے سے ہے۔ اس وصف کی بنیاد حضور اکرم ﷺ کے ان تاریخی کلمات پر رکھی گئی، جو آپ نے ان لوگوں سے کہے تھے جو چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹنے کی سزا پانے والی ایک اعلیٰ قبیلے کی فاطمہ نامی عورت کے معاشرتی رتبے کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی معافی کے لیے سفارشی تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''یاد رکھو، تم سے پہلے کی قومیں اس لیے تباہ ہوگئیں کہ جب ان میں کوئی بڑا آدمی جرم کرتا تھا تو اس سے چشم پوشی کی جاتی تھی، اور جب کوئی چھوٹا آدمی جرم کرتا تھا تو اسے سخت سزا دی جاتی تھی۔ خدا کی قسم، اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ بھی یہ جرم کرتی تو اسے بھی یہی سزا دی جاتی۔''(۱)

اسلام کے قانون میں مسلم، غیر مسلم کی اس میں کوئی تخصیص نہیں۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ مقدمات کا فیصلہ مساوات اور عدل کے معیارات کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے کریں۔ سورۃ النساء کی آیت ۵۸ میں آتا ہے:

﴿ وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ ﴾(۲)

ترجمہ: اور تم جب فیصلہ کرو لوگوں کے مابین یہ کہ ہو تمہارا فیصلہ عدل کے ساتھ ہو۔

اس اعتبار سے پوری امت مسلمہ پر انصاف کے عمل کی حفاظت حکمران پر ہے۔ حکمران کے ذمہ ہے حکمرانی کے مقام کی وجہ سے اور بھی خصوصیت کے ساتھ لاگو ہوتی ہے۔ یہ بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ نظامِ عدل محض قانون کی بالادستی برقرار رکھنے پر ختم نہیں ہوجاتا بلکہ معاشرت کے دوسرے شعبوں پر بھی محیط رہتا ہے۔ عدل سے مراد یہ ہے کہ تمام طبقات کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے، سب کو یکساں حقوق حاصل ہوں اور سب کو آگے بڑھنے اور خود کو بہتر بنانے کے یکساں مواقع فراہم کئے جائیں۔ اگر اسلامی معاشرے میں کسی گروہ کو امتیازی سلوک

---

(۱) بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث الغار، برقم (۳۴۷۵)، ومسلم، كتاب الحدود، باب قطع السارق الشريف وغيره، والنهي عن الشفاعة في الحدود، برقم (۱۶۸۸).

(۲) سورۃ النساء: ۴/ ۵۸

کی جائز شکایت ہو، تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ حکمران حکمرانی اسلامی اصولوں کو پورا نہیں کر سکا، اور اب اسے مملکت اسلامیہ کی سربراہی کا حق نہیں۔

انصاف کے لیے اقدامات:

ا۔اسلام نے انصاف کے لیے یہ اقدامات کیے ہیں کہ رعایا پر فیس عدالت کی نہیں رکھی۔

۲۔وکیل کی فیس سے بھی رعایا کو محفوظ کیا ہے۔

۳۔پھر جن پر جرم ثابت ہئے ان کو بر سر عام جسمانی سزائیں دینے کا نظام بنایا تاکہ باقی لوگ عبرت حاصل کریں:

۴رشوت کا سدباب کیا ہے اسلام نے رشوت کے سدباب کے لیے دو طریقے اختیار کئے ہیں ایک اخلاقی دوسرا عملی اخلاقی طریقہ اسلامی تعلیمات ہیں جس میں رشوت لینے و دینے والوں کے لیے شدید وعید آئی ہے مثلاً حدیثِ رسول ﷺ ہے کہ :

((لعن رسول الله ﷺ على الراشى والمرتشى))[1]

ترجمہ: رسول خدا کی لعنت ہے راشی (لینے والا) اور (مرتشی دینے والا) پر۔

آتشی لانے کا ذمہ دار

ایسے امور سے قطع نظر، اسلامی جمہوریہ کے حکمران کا فرض ہے کہ وہ امن وامان قائم رکھے، ریاست کے مختلف گروہوں میں کشیدگی پیدا نہ ہونے دے، طاقت ور کے مقابلے میں کمزور کی حفاظت کرے، بد اعمالوں کو سزا دے اور مظلوم کے حقوق کی پاسبانی کرے۔ مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے ایسے افراد کا تقرر کرے جو قانونِ شریعت سے کماحقہ واقف ہوں، متقی اور پرہیز گار ہوں، بے داغ کردار کے مالک ہوں اور خود کو صرف ریاست نہیں، اللہ کے سامنے بھی جواب دہ خیال کریں۔

اسلامی قانون کی نگاہ میں چھوٹے بڑے میں کوئی فرق نہیں۔ کوئی شخص اس حوالے سے کسی خصوصی حق کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ جرائم کے ارتکاب پر سزا میں کوئی رعایت نہیں برتی جا سکتی البتہ اسلامی حکومت جرائم کی سزا سے زیادہ زور جرائم وقوع پذیر ہونے کو روکنے پر دیتی ہے۔ معاشرے کی اصلاح کا کام حکومت کے اہم ترین فرائض میں داخل ہے۔ اس طرح اصلاح وفلاح اسلامی جمہوریت کے پانچویں وصف کے طور پر سامنے آتے ہیں۔[2]

---

(۱) سنن ابوداؤد، حدیث ۳۵۸۰

(۲) احکام سلطانیہ، ص:۸۹

اچھا معاشرہ وہی ہے جس میں انصاف اور آتشی قائم ہو اور ایسا امتیاز معاشرے کی اصلاح اور ارکانِ معاشرہ کی فلاح کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے اسلام نے ایسے تمام کاموں کو ممنوع قرار دیا ہے جن سے اصلاحِ معاشرہ میں خلل واقع ہو یا ارکانِ معاشرہ کی فلاح میں رکاوٹ آئے۔ جھوٹ بولنا، چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، کاروبار میں بددیانتی سے کام لینا، قتل کرنا، فحاشی وعیاشی کا ارتکاب کرنا، تہمت اور بہتان تراشی کرنا، جوا کھیلنا، شراب نوشی کرنا، یہ سب ایسے کام ہیں جو معاشرے کی اصلاح اور فلاح میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ اسلام نے ان کاموں کو نہ صرف ممنوع قرار دیا بلکہ ان کے مرتکب ہونے والوں کے لیے سخت سزائیں بھی مقرر کی ہیں۔

جان ومال کا تحفظ :

انسان کا سب سے بڑا اور بنیادی حق جان ومال اور عزت کا تحفظ ہے۔ جان ومال کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے خود بدنی سزائیں مقرر کر کے اس حق کی حفاظت اور بڑے بڑے جرائم کا انسداد کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار کے مجمع میں حجۃ الوداع کے موقع پر مسلمانوں سے پوچھا۔ بتلاؤ آج کونسا دن ہے؟ لوگوں نے کہا۔ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ گویا ہوئے کہ یہ حرمت کا دن (یوم النحر) ہے۔ دوسری مرتبہ پوچھا کہ یہ کون سا مہینہ ہے؟ لوگوں کے پہلے سے جواب پر آپ ﷺ نے کہا یہ حرمت والا مہینہ (ذی الحجہ) ہے۔ پھر آپ نے تیسری بار پوچھا۔ یہ کون سا شہر ہے؟ لوگوں کے پہلے سے جواب پر آپ نے فرمایا۔ یہ حرمت والا شہر (مکہ مکرمہ) ہے۔ اس سوال وجواب کے بعد آپ نے فرمایا:

((ان اللہ حرم علیکم دماؤکم واموالکم واعراضکم کحرمۃ یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا))[1]

بے شک تمہاری جانیں، تمہارے اموال اور تمہاری آبروئیں ایک دوسرے پر اس قدر حرام ہیں جیسے آج کے دن، اس مہینہ اور اس شہر میں حرمت ہے۔

تبلیغ دین اہم ذمہ داری ہے

ایک ذمہ داری تبلیغ دین ہے۔ اسلامی شریعت کی اصطلاح میں پروردگار کے احکام وضاحت سے بیان کرنا اور اسے لوگوں تک پہنچانا ہے، انہیں نیکی کی تلقین کرنا اور برائی سے روکنا۔ تبلیغ مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لیے یکساں طور پر ضروری ہے۔ مسلمان کو تبلیغ کرنے کا مقصد اسے برائی سے روکنا اور نیکی کی طرف سے راغب کرنا

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب المناسک،

ہے جبکہ غیر مسلم کو تبلیغ کرنے کا مقصد اسے دین ربانی سے آگاہ کرنا اور مسلمان ہونے کی دعوت دینا تاکہ ابدی فلاح کا حقدار قرار پاجائے جس کا ایمان والوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔

تبلیغ کی تاکید ہمیں قرآن سے ملتی ہے، ارشاد ہے:

﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ۚ﴾ (۱)

ترجمہ: پس لوگوں کو دعوت دو اور استقامت اختیار کرو جیسا کہ تمہیں کہا گیا ہے۔

تبلیغ کی تاکید ہمیں فرامین رسول اللہ ﷺ سے بھی ملتی ہے، فرمانِ رسول اللہ ﷺ ہے کہ:

((بلغو عنی ولو آیة)) پہنچاؤ لوگوں کو مجھ سے خواہ آیت ہو۔ (۲)

اس اہم ذمہ داری کو جانفشانی ،کاوش کرکے پورا کیا، وہ ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے دین کی دعوت دیتے ہوئے آپ ﷺ نے کیسی کیسی تکلیفیں نہیں اٹھائیں۔ آپ ﷺ کے اپنے خاندان والوں نے آپ ﷺ کی مخالفت کی، آپ ﷺ کا معاشی و معاشرتی مقاطعہ کیا، آپ ﷺ کو طعنے دیئے ،دشنام طرازی کو ہدف بنایا، ان کو ہجرت کرنے پر مجبور کیا، جنگیں لڑیں ، رسول اللہ ﷺ ابو طالب کے نام سے موسوم گھاٹی میں لوگوں سے الگ تھلگ رہنا پڑا، طائف والوں کے پتھر برداشت کرنا پڑے، دشمنانِ اسلام کی سازشوں کا مقابلہ کرنا پڑا مگر کسی بھی مرحلے پر دشمنانِ اسلام رسول اللہ ﷺ کے پائے استقلال میں لغزش نہیں لاسکے بلکہ پوری استقامت کے ساتھ تبلیغ دین پر لگے رہے اور نتیجہ یہ کہ ۲۳ سال کے قلیل عرصے میں پورا جزیرۂ عرب حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

خلفاءراشدین نے بھی اس ذمہداری کو نبھانے کی روایت جاری رکھی اور انہی پر موقوف نہیں، ہر مسلمان نے اسے اپنی ذمہ داری سمجھا۔ عرب کے تاجروں کی بدولت اسلام دنیا کے ان حصوں میں بھی پہنچ گیا، جہاں اسلامی فتوحات کے قدم نہیں پہنچ پائے تھے۔ تبلیغ کی ذمہ داری صرف اسلامی جمہوریہ کی حکومت کی نہیں، بلکہ ہر مسلمان شہری کی ہے، اور فریضہ تبلیغ انجام دیتے ہوئے قتل کردیئے جانے والے کو افضل ترشہادت کا مرتبہ دیا گیا ہے۔

تبلیغ دین محض غیر مسلموں کو حلقہ اسلام میں داخل ہوجانے پر آمادہ کرلینے کا ہی نام نہیں، بلکہ افرادِ معاشرہ کو غلط کاموں سے روکنا اور اچھے کاموں کی طرف مائل کرنا بھی تبلیغ کہلائے گی۔ ایسا کرنے کی خاطر ضروری ہے کہ مبلغ خود بھی انہی اوصاف کا حامل ہو جن کے اختیار کرنے کی تلقین وہ دوسروں کو کرنا چاہتا ہے۔ یعنی وہ اسی فعل کی تبلیغ کرے، جس پر وہ خود کاربند ہے۔ لہٰذا جب کوئی مسلمان تبلیغ کا وصف اختیار کرنے کی سوچ دل میں لاتا ہے، تو پہلے وہ اپنی خامیوں، عیوب پر نگاہ ڈالتا ہے، اور تبلیغ کے معیار پر پورا اترنے کے لیے وہ پہلے انہیں دور کرنے کی فکر کرتا

---

(۱) سورۃ الشوریٰ: ۴۲/ ۱۵

(۲) صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل، حدیث نمبر ۳۴۹۹

ہے۔ یوں ایک فرد کی اصلاح سے معاشرے کی اصلاح کی راہ ہموار ہوتی ہے، اور چراغ سے چراغ جلتے چلے جاتے ہیں۔

امام ابو یوسف کے نزدیک سربراہ کے اختیارات وذمہ داریاں

اس ضمن میں یعقوب بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۸۲ھ) المعروف بہ قاضی ابو یوسف کا نام آتا ہے جنہوں نے کتاب الخراج لکھ کر سلطانی ادب کی داغ بیل ڈالی۔ کتاب الخراج دراصل ایک مراسلہ (Epistle) ہے جو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے عباسی خلیفہ ہارون الرشید (م ۱۹۳ھ) کو لکھا ہے یہ مراسلہ اس لحاظ سے اہم اور قابلِ قدر ہے کہ اس میں پہلی بار انتہائی شرح وبسط کے ساتھ اسلام کے اصولِ حکمرانی، تنظیم بیت المال، محاصل کی وصولی اور تقسیم ،ضرائب کی نوعیت وتحدید اور اس قسم کے دیگر امور سے بحث ہوئی ہے۔

بے لاگ عدل

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بے لاگ عدل اور تمام نظریات وعقائد سے بالاتر، دوررس انصاف خلیفہ کے فرائض میں شامل ہے۔ چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "اور یہ کہ اپنے رعایا اور عوام کے درمیان دنیاوی معاملات میں برابری رکھو، چاہے وہ رشتہ دار ہو یا دور کا ہو چاہے نا آشنا آدمی ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس بات میں ملامت کرنے والے کی فکر مت کرو۔

اور یہ کہ اگر وہ ظلم وناانصافی سے کام لے ایسی حکومت بھی قائم نہیں رہ سکتی، لہٰذا عوام پر ہر قسم کے ظلم سے اجتناب کرو۔

اصلاحی تنقید

اس میں انہوں نے عوام کو یہ ترغیب بھی بتاتے ہیں وہ سربراہ کے نگران بنیں اور اسکے اعمال پر اسے مثبت تنقید کا نشانہ بنائیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں وہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کرتے ہیں: "ان میں کوئی بھلائی نہیں ہوگی اگر وہ ہم پر تنقید نہ کریں اور ہمارے اندر بھی کوئی بھلائی نہیں ہوگی اگر ہم ان کی جائز (مثبت) تنقید کو برداشت نہ کریں۔

اس میں درحقیقت وہ عباسی خلیفہ ہارون الرشید کو بھی یہی سمجھانا چاہتے ہیں کہ تنقید کرنا یہ حق ہے عوام کا اور ان کی زبانوں پر کوئی پابندی نہیں لگائی جاسکتی۔

سربراہ کاذاتی کردار

"سربراہ کو بردبار اور نرم طبیعت والا ہونا چاہیئے کیونکہ اس کی نرمی اللہ کو بہت محبوب اور پسندیدہ ہے۔ جبکہ عوام کے ساتھ سخت رویہ سے پیش آنے والا سربراہ عند اللہ محبوب نہیں ہوتا۔

سربراہ ریاست کے اعمال کے اثرات عوام پر لازماً پڑتے ہیں لہٰذا اگر وہ کج رو ہو تو اسکی رعایا و عوام بھی کج رو رہیں گے اگر وہ بد عنوان ہو تو رعایا میں بھی بد عنوانی پیدا ہو گی اور یوں ملک میں بد امنی اور فساد برپا ہو گا۔ لہٰذا ان چیزوں سے سربراہ کو پرہیز کرنا چاہیئے۔

اختیارات سے عدمِ تجاوز

اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اس کو بے لگام اختیارات حاصل نہیں ہیں بلکہ اس کے اختیارات عوامی فلاح وبہبود کے ساتھ مشروط ہیں۔ چنانچہ امام اَبو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عوامی معاملات میں حکمران کے فیصلہ کرنے کا اختیار عوام کی فلاح و بہبود کے ساتھ مشروط ہیں: "التصرف علی الرعیۃ منوط بالمصلحۃ" یعنی "رعایا پر تصرف کے اختیارات عوام کی مصلحت کے ساتھ محدود ہے۔ کسی نے یوں کہا: "اگر کوئی عمل عوامی بہبود کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے تو اسی صورت میں وہ قابلِ قبول ہے ۔

ریاستی دستور

اس سلسلے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے سربراہ کو قانون سازی کے متعلق بھی رہنمائی دی ہے۔ چنانچہ آپؒ فرماتے ہیں: "سربراہِ ریاست پر لازم ہے کہ وہ خلافِ شریعت کوئی قانون اور دستور نہیں بنائے گا اور نہ ہی قرآن و سنت سے متصادم کوئی عمل کرے گا۔

فروغِ خیر وانسدادِ شر

اس سلسلے میں انہوں نے حکومت کے خلاف شرعی دائرہ کار میں احتجاج کی راہ بھی ہموار کی ہے۔ "ان الناس اذا رأوا المنكر فلم يغيروه أوشك ان يعمّهم الله بعقابه" یعنی "بے شک جب لوگ منکر (خلاف شرع) کو دیکھیں اور وہ اس کو تبدیل نہ کریں تو اللہ ان کو عذاب میں مبتلا کر دے گا۔

سربراہِ مملکت کے اختیارات کا دائرہ کار

سربراہِ مملکت کا دائرہ اختیار، حکومت کے دائرہ کار، اس کی اطاعت کی حدود، قانون سازی میں حکومت کے اختیارات، اس کے انعقاد کے طریقے، ملک میں شورش برپا کرنے والوں کے خلاف حکومت کے اقدامات کا طریقہ کار، عوام کو حکومت پر تنقید اور اس کے خلاف احتجاج کی شرعی حیثیت وغیرہ سے چنانچہ انہوں نے حکومت

کے وجوب کی ایک یہ دلیل بیان کی ہے کہ حکمران کے متعین ہونے سے مسلمان ایک اجتماع اور ایک بات پر متفق ہو سکتے ہیں ورنہ بے سربراہ لوگ آپس میں جھگڑوں میں پڑ جاتے ہیں ۔

حکومتوں کے جتنے بھی امور طے ہوتے ہیں ان سب کے لیے عوام کو اعتماد میں لینا اور ان سے اس سلسلے میں مشورہ کرنا چاہئے۔ اور جب ایک دفعہ معاملہ باہمی مشورے سے طے ہو جائے تو اس کی مخالفت سے حاکم گریز کرے۔

حکمران کو ماورائے آئین اقدام سے بھی منع اور اس کی اطاعت کے حدود بیان کی گئی ہیں جب اللہ ربّ العزت کی نافرمانی ہو تو ان کی فرمانبرداری جائز نہیں اور خلاف شرع اور خلاف آئین و دستور میں حکمران کی بات کو نہیں مانا جائے گا اور اگر عوام کو یہ اندیشہ ہو کہ یہ سربراہ ہمیں غرق اور تباہ کرنا چاہتا ہے تو پھر ایسی اطاعت کی اللہ تعالیٰ نے مذمت بیان کی ہے:

﴿فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ﴾ (۱)

ترجمہ: غرض اس نے اپنی قوم کو بے وقوف بنایا، پس انہوں نے اس کی تابعداری کرلی، بے شک وہ نافرمان لوگ تھے۔

حکمران پر لازم ہے کہ عوام کو ایسے کاموں کا امر کرے جن میں ان کا فائدہ ہو۔ اسی صورت میں عوام پر اس کا حکم بجا لانا لازم ہوتا ہے۔ اگر حکومت خلافِ آئین اقدامات کرے تو ان کو آپس میں یکجان ہو کر حکومت کو اس استبدادی قانون کے خاتمے پر مجبور کریں اور اس سلسلے میں لوگ ایک دوسرے کی مدد کرے کیونکہ بصورت دیگر حکمران مزید ظلم کرنے لگ جائیں گے۔

ملکی استحکام کو یقینی بنانے کے لئے حاکم پر پہلا فرض یہ عائد ہوتا ہے کہ وہ معاشرے کے تمام طبقات کے معاشی استحکام کو یقینی بنائے اور ایک ایسا معاشی نظام قائم کرے جو عدم انصاف اور استحصال سے مبرا ہو۔

اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر اللہ کسی کو مسلمانوں کے امور کا ذمہ دار بنائے، اور وہ خود کو ان سے علیحدہ کر لے، اور ان کی ضرورتوں کی تکمیل اور افلاس کے خاتمے کے لئے اہتمام نہ کرے تو اللہ بھی خود کو اس سے علیحدہ کر لے گا اور اس کی ضرورتوں کی تکمیل اور افلاس کا خاتمہ نہ کرے گا۔ (۲)

اسلامی ریاست کا سربراہ ایسے کاموں کی ترغیب دلائے جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ٹھہریں اور معاشرے کے دیگر ارکان کے لئے نفع مند ثابت ہوں۔ اگر ترغیب سے کام نہ چلے تو انہیں ایسا کرنے کی تاکید کریں پھر بھی نہ مانیں تو

---

(۱) سورۃ الزخرف: ۴۳/ ۵۴

(۲) ابو داؤد، ۱۴۶

اسے منوانے کے لئے طاقت کا استعمال کیا جائے۔ گویا معاشرتی اصلاح کے تینوں درجے وقت آنے پر استعمال کئے جائیں جیسا کہ فرمانِ رسول اللہ ﷺ ہے کہ:

ترجمہ: تم جب برائی ہوتے دیکھو تو ہاتھ سے روک دو، ہاتھ سے نہ روک سکو تو زبان سے منع کرو اور اگر زبان سے بھی منع نہ کر سکو تو دل سے برا سمجھو۔ (۱)

اللہ فرماتے ہیں کہ :

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ ------﴾ (۲)

"اور تم میں سے لوگوں کا ایک گروہ ایسا نکلنا چاہئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے، اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے، اور یہی وہ لوگ ہیں جو فلاح پائیں گے۔"

کسی بھی حکومت کے بنیادی فرائض میں ملک و معاشرے کی اقتصادی ترقی کا اہتمام کرنا، ارکانِ معاشرہ کو تعلیم و تحقیق کے مواقع فراہم کرنا، صحت عامہ کی سہولیات ہر ایک تک پہنچانا، عام استفادے کے نظام مثلاً مواصلات اور توانائی وغیرہ قائم کرنا، افراد کو معاشرتی تحفظ فراہم کرنا اور اخلاقی و معاشرتی اصلاح کا بندوبست کرنا شامل ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ، جدید جمہوری اصولوں کے حوالے سے خصوصی طور پر اظہارِ رائے اور عقیدے کی آزادی فراہم کرنا بھی کسی حکومت کے فرائض میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔ گذشتہ سطور میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ اسلامی جمہوریہ ان سب اوصاف کی حامل ہوتی ہے اور ان سب فرائض کو بہ طریق احسن نبھاتی ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ بہ حیثیت ریاست، ایک اسلامی جمہوریہ کے مقاصد کیا ہوتے ہیں اور انہیں کیسے حاصل کیا جاتا ہے۔ ایک عمومی سطح پر ان مقاصد کو مختصر الفاظ میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

معاشرے میں اجتماعی اطاعت کا تصور مضبوط ہو، ایک مبسوط اور منظم معاشی نظام قائم کیا جائے جس سے معاشرے کے تمام طبقات یکساں طور پر فائدہ اٹھا سکیں، معاشرے میں عمدہ اوصاف کی ترویج کی جائے اور منکرات کے انسداد کا اہتمام کیا جائے، تمام سطحوں پر عدل کا بول بالا کیا جائے اور مصالح شریعت کو محفوظ بنایا جائے۔

ذیل میں اسلامی فکر و اصول کے تحت ان مقاصد کے اہم ہونے کے پیشِ نظر کیا کیا طریق ہائے کار مقرر کئے گئے ہیں جن سے یہ حاصل کئے جا سکیں ان کا جائزہ لیا گیا ہے۔

ابتدائے آفرینش سے ہی انسان نے پہلے رفیق کی ضرورت محسوس کی، اس کے بعد خاندان کی۔ خاندان سے قبیلوں نے جنم لیا، قبیلوں سے بستیوں نے، بستیوں سے ریاستوں نے اور ریاستوں سے معاشروں نے۔ عالم کی

---

(۱) ابو داؤد، ۱۴۲۶

(۲) سورۃ آلِ عمران: ۳/ ۱۱۰

وسعت اور اس سے ناواقفیت انسان میں عدم تحفظ کا جو احساس پیدا کرتی ہے، اس کا علاج اس نے رفاقت اور اجتماعیت میں ڈھونڈا اور اس خواہش کے زیر اثر بڑے بڑے شہر اور تہذیبیں قائم ہوئیں۔

مادی اور فکری لحاظ سے انسان خواہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر جائے، اس کی بنیادی ضرورتیں اور جبلتیں ہمیشہ یکساں رہیں گی۔ اسے آج بھی اجتماعیت کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی آج سے ہزاروں سال پہلے تھی، اور اجتماعیت حاصل کرنے کے لئے ضرورت ہے ایک مرکز کی جس پر سب اکٹھے ہو سکیں۔ کبھی یہ مرکز انسان نے خطے اور مفاد کی بنیاد پر تلاش کئے، کبھی زبان و اطوار، کبھی حسب و نسب اور کبھی مذہب کی بنیاد پر۔ ایسے مراکز نے رفتہ رفتہ وسعت پائی جسے قوم کہا جانے لگا۔

قومیت کے تصور نے ترقی پائی اور ایک عام تصور یہ رائج ہو گیا کہ جو انسان، جس خطے کا باسی ہے، اس کی قومیت بھی وہی ہے۔ گویا ہندوستان میں رہنے والے سب کے سب ہندوستانی ہی کہلائیں گے، خواہ مذہب، رنگ، نسل اور زبان کے حوالے سے ان میں کتنے ہی تفرقات کیوں نہ پائے جائیں۔ ایک ملک کے رہنے والے کے لئے دوسرے ملک کا باشندہ اجنبی، عجیب اور بعض حالات میں قابل نفرت ٹھہرا۔ قومی امتیاز کے اس تصور نے مختلف ممالک کو ایک دوسرے پر حملہ آور ہونے، اور دوسروں کو اپنے رنگ میں رنگنے کے لئے انہیں اپنا مطیع بنانے پر آمادہ کیا۔ انسانوں کے مابین پائے جانے والے اختلافات کی سب سے بڑی وجہ قومیت کے روپ میں سامنے آئی۔

اسلام کی آمد نے قومیت کا یہ تصور باطل کر دیا، اور علاقائی قومیت کی جگہ دینی قومیت کا وسیع بلکہ عالمگیر تصور دیا۔ قومیت پر پروان چڑھنے والے معاشروں میں وقت کے ساتھ ساتھ تنازعات بھی پیدا ہوئے۔ اسلام پہلا دین تھا جس نے ہر طرح کی غیر متوقع صورتِ حال کی پیش بندی کی، اور ایسے جھگڑوں کے پیدا ہونے سے پہلے ان کا سدباب کر دیا۔ اسلامی قوانین کی بنیاد رکھی ہی اس اصول پر گئی تھی کہ سزا سے زیادہ سزا کا خوف کارآمد ہوتا ہے کیونکہ یہ جرائم اور جھگڑوں کو پیدا ہونے سے پہلے ہی روک دیتا ہے۔ شرعی قوانین جو کہ گھریلو معاملات کے متعلق ہوں، معاشرتی حالات سے ان کا تعلق ہو، ناخوشگوار صورتِ حال کے پیدا ہونے سے پہلے اس کا سدباب کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں۔

اسلام کے مضبوط اور ہمہ گیر قوانین نے معاشرتی استحکام کو فروغ دیا، اور معاشرتی اجتماعیت کو مزید مضبوط بنانے کے لئے، عبادات کے ایک غالب حصے کی بنیاد بھی اجتماعیت پر رکھی گئی۔ نماز، حج اور جہاد جیسے ارکانِ دین نے اجتماعیت کو جس انداز میں مستحکم کیا، اس کی مثال کہیں اور سے حاصل نہیں کی جا سکتی۔ خصوصاً نماز جو اسلامی عبادات کا نمایاں ترین رکن ہے۔ نماز کی ادائیگی میں انسان کی تمام حرکات و سکنات اللہ کے احکام کی پابند ہو جاتی ہیں۔ ایک امام کے پیچھے صف آراء ہوتے ہی محمود اور ایاز کے تمام امتیازات مٹ جاتے ہیں۔ یہاں دنیاوی مرتبے کے حوالے

سے کسی کو کسی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہوتی۔ جو پہلے پہنچتا ہے، آگے جگہ پاتا ہے، اور بعد میں آنے والوں کو پیچھے رہنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ نماز کی قبولیت کا انحصار اپنے خشوع و خضوع پر ہوتا ہے، اور دیگر عبادات یا دنیاوی معاملات کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

اللہ کا فرمان ہے کہ:

﴿الَّذينَ إِن مَكَّنّٰهُم فِى الأَرضِ أَقامُوا الصَّلوٰةَ وَءاتَوُا الزَّكوٰةَ --------﴾(۱)

وہ لوگ جن کو اگر اندر زمین کے اقتدار ملے تو یہ نماز پڑھیں، اور ادا کریں زکوٰۃ، اور نیکی کا امر کریں، برائی سے منع کریں اور امور کا انجام اللہ ہی کے لیے ہے۔

اس آیتِ مبارکہ سے قیامِ اجتماعیت کے بعد ریاست اسلامیہ کے اگلے تین مقاصد کی بھی نشاندہی ہوتی ہے یعنی معاشی استحکام کا فروغ، نیکی کا حکم، برائی سے روکنا۔

قومی استحکام و معاشی استحکام کا ربط کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ جرائم اور معاشرتی برائیوں کی غالب تعداد غربت کی کوکھ میں پرورش پاتی ہے، تاریخ عالم میں بڑے بڑے انقلابوں کی بنیاد معاشی محرکات پر ہی رکھی گئی۔ کمیونزم اور سوشلزم جیسے فلسفہ ہائے حیات، جنہوں نے کرۂ ارض کا نقشہ بدل دیا، معاشیات کے اصولوں سے ہی اخذ کئے گئے۔

اللہ کے رسول ﷺ پناہ مانگتے تھے غربت سے۔(۲)

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے ہر دور میں مانا گیا ہے۔

زکوٰۃ کا نظام اسی غرض سے سامنے لایا گیا کہ معاشرے میں معاشی استحکام کو فروغ دیا جا سکے۔ قرآن کریم میں جہاں جہاں نماز کے قیام کا ذکر ہے، وہاں وہاں زکوٰۃ دینا بھی لازمی کر دیا گیا۔ گویا اللہ تعالیٰ کی اطاعت محض ذاتی عبادات سے مکمل نہیں ہو سکتی، بلکہ خدا کے عطاء کردہ میں سے ان کو بھی دیں جو کسی نہ کسی وجہ سے معاشی طور پر کمزور ہیں۔ ریاست اسلامیہ میں ابتدائی دور میں ہی زکوٰۃ کو جس انداز میں تقدیم دی گئی، اس کی شہادت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول و فعل سے ملتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد جب بعض قبائل نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں راہِ راست پر لانے کے لئے تلوار بے نیام کر لی اور جب بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے رائے دی کہ منکرین زکوٰۃ کے ساتھ مشرکین و کفار کی طرح جہاد و قتال نہ کیا جائے تو آپ رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھا کر کہا کہ، اگر زکوٰۃ کا ایک جانور یا ایک دانہ بھی کوئی قبیلہ نہیں دے گا تو ان سے ضرور قتال ہو گا۔

---

(۱) سورۃ الحج:۲۲/۴۱

(۲) ابوداؤد، کتاب الوتر، باب فی الاستعاذۃ، حدیث نمبر ۱۵۴۴

کسی مملکت کی کامیابی کا معیار عموماً اس کی معاشی کامیابی کو ہی بنایا جاتا ہے۔ ہر ملک میں معاشرتی طبقات کی معاشی مساوات کو حاصل کرنے اور برقرار رکھنے کے لئے زرِ کثیر اور مدتِ مدید کے اصراف محصولات اور اخراجات کا ایک لمبا چوڑا نظام ترتیب دے کر ستم کیا جاتا ہے کہ، اتنی مشقت اٹھانے پر بھی اکثر حالات میں یہ مقصد پوری طرح حاصل نہیں ہو پاتا۔ اس کی وجہ سیدھی سی ہے۔ نظام جتنا وسیع اور پیچیدہ ہو گا، اسے چلانے میں دشواریاں پیدا ہونے کے امکانات اتنے ہی قوی ہوں گے۔ ایسی صورتِ حال سے بچنے کے لئے اسلام نے جو معاشی نظام ترتیب دیا، وہ نہایت سادہ اور غیر ضروری پیچیدگیوں سے یکسر پاک ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ یہ نظام جہاں جہاں رائج ہوا، وہاں معاشی ناہمواری کا نشان تک نہ رہا، اور اسلامی مملکت میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ دینے والے ڈھونڈتے پھرتے تھے، اور لینے والا کوئی نہ ملتا تھا۔

معاشی استحکام کے بعد معاشرتی اصلاح کے مقصد کے لئے نیکی کے حکم اور برائی سے منع کرنے کے اصول رواج دیئے جاتے ہیں۔

نیکی معروف کا مطلب یہ ہے کہ جو معاشرتی اصلاح اور نشوونما کے لئے مفید ثابت ہو، اور برائی منکر سے مراد اس کا متضاد ہے یعنی ہر وہ کام جو معاشرے میں بگاڑ پیدا کرے اور اس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہو۔

یہ ذمہ داری صرف حکمران پر ہی لاگو نہیں ہوتی بلکہ عوام کو بھی اس میں شریک کیا گیا ہے

اللہ کا ارشاد ہے

﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾ (۱)

ترجمہ: تقویٰ اور نیکی کے کاموں میں تعاون کریں اور گناہ و ظلم کے کاموں میں تعاون نہ کریں۔

ریاست اسلامیہ کے مقاصد کی مثال چراغ سے چراغ جلنے کی سی ہے۔ ایک چراغ روشن ہوتا ہے، تو اس کی تابش سے دوسرے کو روشن ہونا کا موقع ملتا ہے۔ جب معاشرے میں نیکی کے کرنے کی ترغیب و تلقین اور برائی سے منع کرنے کا نظام رائج ہو جائے تو اگلا مقصد یعنی مصالح شریعت کا تحفظ خود بخود حاصل ہو جاتا ہے۔ مصالح شریعت سے مراد وہ مصالح یا مفادات ہیں جو شریعت اسلامیہ معاشرے کے ہر فرد کو مہیا کرتی ہے۔ ان کی بنیاد پانچ تحفظات پر رکھی گئی ہے جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ جان کا تحفظ۔ ۲۔ مال کا تحفظ۔ ۳۔ نسب کا تحفظ۔ ۴۔ شہرت یا ساکھ کا تحفظ۔ ۵۔ ہوشمندی کا تحفظ۔

---

(۱) سورۃ المائدہ: ۵/ ۲

اسلامی شریعت کے مطابق، جان کا تحفظ ممکن بنانے کے لئے کسی کا ناحق قتل ناقابلِ معافی ہے، جس کے قصاص میں جان کے بدلے جان کی سزا ہے۔ مال کا تحفظ ممکن بنانے کے لئے چور کی سزا ہاتھ کاٹنا اور ڈاکو کی سزا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹنا مقرر کی گئی۔ نسب کا تحفظ یقینی بنایا گیا ہے زانی کی سزا کوڑے (زانی کے کنوارے ہونے کی صورت میں) اور سنگساری (زانی کے شادی شدہ ہونے کی صورت میں) مقرر کی گئی۔ ہوشمندی کا تحفظ بنانے کے لئے تمام ایسی اشیاء کو حرام قرار دیا گیا جو نشہ لا کر عقل و خرد کو ماؤف کرنے کا سبب بنیں، اور شراب نوشی، جسے جدید مغربی معاشرے کی سب سے بڑی "قانونی" برائی سمجھا جانا چاہئے، کو قابل تعزیر قرار دیا گیا جس کی سزا بعض فقہاء کے نزدیک چالیس اور بعض کے نزدیک اسی کوڑے مقرر ہے۔

مصالح شرعیہ کا تحفظ یقینی بنانے سے معاشرے میں عدل کا قیام ممکن ہوتا ہے۔ جب عدل کا اگلا درجہ مساوات ہے۔ اسلامی قانون میں عدل و مساوات کو جو اہمیت دی گئی ہے، اگر عدل کو فروغ نہ دیا جائے تو معاشرے میں ہر بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھا جائے، طاقتور اپنے فائدے اور مطلب کے لئے نت نئے قوانین وضع کرلے اور کمزور کو ان کی پابندی کرنے پر مجبور کرے۔ ملکی استحکام خطرے میں پڑنا درکنار، بالکل ہی ختم ہو کر رہ جائے۔

حکومت ایسے ادارے بنائے جو مملکت کے حالات معلوم کرے کہ اگر ملک میں ایسا گروہ یا ایسے لوگ اکٹھے ہو رہے ہیں جو ملک میں شورش اور بدامنی برپا کرسکتے ہیں تو ان سے حکومت کو مطلع کریں تاکہ شروع ہی میں ان کے خلاف تادیبی کاروائی کی جاسکے۔

حکومت کو چاہیئے کہ وہ ذورائے اور صاحب بصیرت لوگوں سے حکومتی معاملات میں مشورہ کرے تاکہ ملکی حالات صحیح سمت میں روبہ ترقی ہوں۔

فصل چہارم:

جمہوری نظام میں سربراہ مملکت کے اختیارات

فصل چہارم:

جمہوری نظام میں سربراہ مملکت کے اختیارات

جمہوریت کی بنیادی اقسام میں سے ایک قسم صدارتی نظامِ جمہوریت کی ہے اور دنیا میں کئی ممالک ایسے ہیں جہاں صدارتی جمہوریت کا نظام رائج ہے مثلاً امریکہ، فرانس یا اسلامی ملکوں میں ترکی اور ایران ان ممالک میں الگ الگ اختیارات مملکت کے سربراہ کو حاصل ہیں اس لیے طوالت سے بچنے کے لیے صرف ایک ملک امریکہ کے نظام پر اکتفاء کیا گیا ہے ذیل میں اسی کو بیان کیا جارہا ہے۔

امریکی صدارتی نظام

جمہوریت کی دوسری قسم جو صدارتی جمہوری نظام کے نام سے موسوم ہے میں سربراہِ مملکت کے اختیارات کیا ہیں اس کے لیے چونکہ مقالہ ہذا میں صدارتی نظام کے تحت چلنے والی مملکت امریکہ پر تفصیلی بحث ہے امریکی سربراہ کے اختیارات کا جائزہ ذیل میں بیان ہوا ہے۔[۱]

امریکی صدر کے اختیارات کا جائزہ

عام خیال ہے کہ امریکی صدر عالمی سیاسی سطح پر ایک غالب طاقت کی حیثیت رکھتا ہے تاہم یہ بات اتنی سیدھی اور واضح بھی نہیں ہے۔ وائٹ ہاؤس میں بیٹھے راہنما کے اختیارات محدود ہیں، فیصلوں میں دیگر حلقوں کا بھی عمل دخل ہوتا ہے۔[۲]

امریکی صدر آئینی مدت

صدر چار سال کے لیے منتخب کیا جاتا ہے لیکن زیادہ سے زیادہ دو آئینی مدتوں کے بعد اُس کا دور ختم ہو جاتا ہے۔ وہ سربراہ مملکت اور سربراہِ حکومت دونوں حیثیتوں میں کاروبارِ مملکت چلاتا ہے۔ کانگریس سے منظور شُدہ قوانین کو عملی شکل دینا اُس کی ذمہ داری ہوتا ہے۔ صدر کی انتظامیہ تقریباً چار ملین کارکنوں پر مشتمل ہے۔ صدر دیگر ملکوں کے سفیروں کی اسناد قبول کرتا ہے اور یوں اُن ملکوں کو تسلیم کرتا ہے۔[۳]

---

(۱) متحدہ ریاستہائے امریکہ، ص: ۵۶

(۲) ایضاً

(۱) متحدہ ریاستہائے امریکہ، ص: ۵۷

امریکی صدر کے اختیارات پر کنٹرول

امریکا میں تین بڑے ادارے ایک دوسرے کے فیصلوں میں شرکت کا حق رکھتے ہیں اور یوں ایک دوسرے کے اختیارات کو محدود بناتے ہیں۔ صدر لوگوں کے لیے معافی کا اعلان کر سکتا ہے اور وفاقی جج نامزد کر سکتا ہے لیکن محض سینیٹ کی رضامندی سے۔ سینیٹ ہی کی رضامندی کے ساتھ صدر اپنے وزیر اور سفیر بھی مقرر کر سکتا ہے۔ مقننہ اس طریقے سے بھی انتظامیہ کو کنٹرول کر سکتی ہے۔ (۱)

امریکہ میں "اسٹیٹ آف دی یونین" کے اختیارات

صدر کو ملکی حالات کے بارے میں کانگریس کو آگاہ کرنا ہوتا ہے اور یہ کام وہ اپنے 'اسٹیٹ آف دی یونین' خطاب میں انجام دیتا ہے۔ صدر کانگریس میں قوانین کے مسودے تو پیش نہیں کر سکتا تاہم وہ اپنے خطاب میں موضوعات کی نشاندہی ضرور کر سکتا ہے۔ اس طرح وہ رائے عامہ کو ساتھ ملاتے ہوئے کانگریس کو دباؤ میں لا سکتا ہے لیکن اس سے زیادہ کچھ کرنا صدر کے دائرۂ اختیار میں نہیں ہوتا۔ (۲)

امریکی صدر کے ویٹو کے اختیارات

صدر کسی قانونی مسودے پر دستخط کیے بغیر اُسے کانگریس کو واپس بھیجتے ہوئے اُسے ویٹو کر سکتا ہے۔ کانگریس اس ویٹو کو اپنے دونوں ایوانوں میں محض دو تہائی اکثریت ہی سے غیر مؤثر بنا سکتی ہے۔ سینیٹ کی فراہم کردہ اطلاعات کے مطابق امریکی تاریخ میں پندرہ سو مرتبہ صدر نے ویٹو کا اختیار استعمال کیا تاہم اس ویٹو کو محض ایک سو گیارہ مرتبہ رَد کیا گیا۔ یہ شرح سات فیصد بنتی ہے۔ (۳)

امریکی صدر کے اختیارات میں ابہام موجود ہے

آئین اور اعلیٰ ترین عدالت کے فیصلوں سے یہ بات پوری طرح واضح نہیں کہ صدر دراصل کتنی طاقت کا مالک ہوتا ہے۔ صدر ایک اور طرح کا ویٹو بھی استعمال کر سکتا ہے اور وہ یوں کہ وہ کانگریس کے مسودۂ قانون کو منظور کیے بغیر اُسے بس اپنے پاس رکھ کر بھول جائے۔ تب اُس قانون کا اطلاق ہی نہیں ہو پاتا اور نہ ہی کانگریس ایسے ویٹو کو رَد کر سکتی ہے۔ یہ سیاسی چال امریکی تاریخ میں ایک ہزار سے زیادہ مرتبہ استعمال ہوئی۔ (۴)

---

(۱) جمہوریت کی کہانی، ص:۳۵

(۲) ایضاً

(۳) متحدہ ریاستہائے امریکہ، ص:۵۸

(۴) متحدہ ریاستہائے امریکہ، ص:۵۹

امریکی صدر کی ہدایات

صدر حکومتی ارکان کو ہدایات دے سکتا ہے کہ اُنہیں اپنے فرائض کیسے انجام دینا ہیں۔ یہ ’ایگزیکٹیو آرڈرز‘ قانون کا درجہ رکھتے ہیں اور انہیں کسی دوسرے ادارے کی منظوری درکار نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود صدر اپنی مرضی نہیں چلا سکتا۔ ایسی ہدایات کو یا تو عدالتیں منسوخ کر سکتی ہیں یا پھر کانگریس بھی ان ہدایات کے خلاف کوئی نیا قانون منظور کر سکتی ہے۔ اور: اگلا صدر ان ہدایات کو بیک جنبشِ قلم ختم بھی کر سکتا ہے۔ (۱)

امریکی صدر اور کانگریس

صدر دوسری حکومتوں کے ساتھ مختلف معاہدے کر سکتا ہے، جنہیں سینیٹ کو دو تہائی اکثریت سے منظور کرنا ہوتا ہے۔ منظوری کے اِس عمل کی زَد میں آنے سے بچنے کے لیے صدر معاہدوں کی بجائے ’ایگزیکٹیو ایگری مینٹس‘ یعنی ’حکومتی سمجھوتوں‘ کا راستہ اختیار کر سکتا ہے، جن کے لیے کانگریس کی منظوری درکار نہیں ہوتی۔ یہ سمجھوتے اُس وقت تک لاگو رہتے ہیں، جب تک کہ کانگریس اُن کے خلاف اعتراض نہیں کرتی۔ (۲)

امریکی صدر کے جنگ میں اختیارات

صدر امریکی افواج کا کمانڈر اِن چیف ضرور ہے لیکن کسی جنگ کا اعلان کرنا کانگریس کے دائرۂ اختیار میں آتا ہے۔ یہ بات غیر واضح ہے کہ صدر کس حد تک کانگریس کی منظوری کے بغیر امریکی دستوں کو کسی مسلح تنازعے میں شریک کر سکتا ہے۔ ویت نام جنگ میں شمولیت کے صدارتی فیصلے کے بعد بھی کانگریس نے قانون سازی کی تھی۔ مطلب یہ کہ صدر اختیارات اُس وقت تک ہی اپنے ہاتھ میں لے سکتا ہے، جب تک کہ کانگریس حرکت میں نہیں آتی۔ (۳)

امریکہ کے اختیارات کا حتمی کنٹرول

صدر اختیارات کا ناجائز استعمال کرے یا اُس سے کوئی جرم سرزَد ہو جائے تو ایوانِ نمائندگان اُس کو عہدے سے ہٹانے کی کارروائی شروع کر سکتا ہے۔ اب تک اس طریقہ کار کا استعمال دو ہی مرتبہ ہوا ہے اور دونوں مرتبہ ناکام

(۱) متحدہ ریاستہائے امریکہ، ص:۵۹

(۲) جمہوریت کی کہانی، ۴۰

(۳) ایضاً

ہوا ہے۔ لیکن کانگریس کے پاس بجٹ کے حق کی صورت میں ایک اور بھی زیادہ طاقتور ہتھیار موجود ہے۔ کانگریس ہی بجٹ منظور کرتی ہے اور جب چاہے، صدر کو مطلوبہ رقوم کی فراہمی کا سلسلہ روک سکتی ہے۔ (۱)

پارلیمانی جمہوری نظام میں سربراہِ مملکت (صدرِ پاکستان) کے اختیارات

پاکستان میں اس وقت پارلیمانی جمہوری نظام رائج ہے آئینِ پاکستان کی رو سے سربراہِ مملکت صدرِ پاکستان ہوتا ہے لیکن اختیارات کا منبع وزیرِ اعظم ہوتا ہے۔

پاکستان کے صدر مملکت کے اختیارات:

صدر پاکستان وفاق کی علامت ہوتا جس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے کردار سے اس بات کو ثابت کرے کہ وہ کسی پارٹی کا نہیں بلکہ پورے ملک کا نمائندہ ہے صدرِ مملکت کی عمر کم از کم ۴۵ سال ہونی چاہئے، صدر کا مسلمان ہونا ضروری ہے، اسی طرح وہ اہل ہو کہ قومی اسمبلی کا ممبر بن سکے، آئین پاکستان کے شیڈول دوم میں بیان کردہ طریقہ کار کے مطابق سینٹ، قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں پر مشتمل الیکٹورل کالج کے ووٹوں سے منتخب ہو گا، صدرِ مملکت سے چیف جسٹس آف پاکستان شیڈول سوم درج عبارت کے تحت حلف لے گا، صدرِ مملکت پاکستان ۵ سال کے لیے منتخب ہوتا ہے، کوئی فرد صدر مملکت کے عہدے کے لیے دو لگاتار مدتوں کے بعد صدر نہیں بن سکتا۔ صدر قومی اسمبلی کے سپیکر کو استعفیٰ دے کر اپنا عہدہ چھوڑ سکتا ہے۔ (۲)

۲۔ صدر کو برطرف کرنا (یا مواخذہ)

ا۔ صدر کو اگر دماغی، جسمانی طور پر یا کسی اور بیماری یا وجہ سے نا اہل ہو جائے تو اسے اس کے عہدے سے ہٹایا جاسکتا ہے۔ ایسے ہی آئین کی خلاف ورزی یا پاکستان کے مفادات کے میں سنگین غلطی پر اس بازپرس کی جاسکتی ہے۔ (۳)

۲۔ صدر مملکت کے مواخذے کے لیے سینٹ کے کل ارکان کے آدھے ارکان اپنے دستخطوں سے چیئرمین سینٹ کے سامنے یا سینٹ میں قرارداد پیش کرسکتے ہیں جس میں صدر مملکت کے مواخذے کی وجوہات درج ہوں گی ایسے ہی قومی اسمبلی کے کل ارکان کے آدھے ارکان بھی قراداد پیش کر کے صدر کے مواخذے کی تحریک چلاسکتے ہیں۔ (۴)

---

(۱) متحدہ ریاستہائے امریکہ، ص: ۶۴

(۲) آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان، آرٹیکل ۴۱ تا ۴۴

(۳) ایضاً، آرٹیکل ۴۷

(۴) آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان، آرٹیکل ۶۰، ۵۳

۳۔ صدر مملکت کے خلاف الزام کی تفتیش کے لیے دونوں ایوانوں پر مشتمل مشترکہ اجلاس صرف اسی تفتیشی نوٹس پر بلایا جائے گا، صدر مملکت کو اس میں پیش ہونے کی اجازت ہوگی یا صدرِ مملکت اپنی نمائندگی کے لیے کسی کو مقرر کر سکتا ہے۔(۱)

۴۔ دونوں ایوانوں میں تفتیش کے ارکان کی دو تہائی اکثریت اس نتیجے پر پہنچتی ہے کہ صدر پاکستان آئین کی سنگین خلاف ورزی کا مرتکب ہوا ہے جس کی وجہ سے صدر اس عہدے کے لیے نااہل ہو گیا ہے اور پیش کی جانے والی قرارداد مشترکہ ایوانوں کے ارکان دو تہائی سے منظور کر لیتے ہیں تو صدر مملکت اسی وقت اپنا عہدہ چھوڑ دیگا۔(۲)

۳۔ صدر کے نہ ہونے کی صورت میں

صدرِ پاکستان کے عہدے سے سبکدوش ہونے یا وفات پاجانے کی صورت میں چیئرمین سینٹ قائم مقام صدر ہوگا اگر چیئرمین سینٹ صدر کے امور سرانجام نہ دے سکتا ہو تو قومی اسمبلی کا سپیکر بطور قائم مقام صدر امور مملکت سرانجام دے گا قائم مقام صدر اس وقت تک امور سرانجام دے گا جب تک آئین کے مطابق صدر مملکت کا انتخاب نہ ہو جائے۔(۳)

۴۔ صدر کا معاف کرنے کا اختیار

دستور پاکستان کے تحت صدر عدالت، یا ٹربیونل وغیرہ کی سزا جو کسی فرد کو دی گئی ہو اس کو معاف کرنے، معطل کرنے، یا کم کرنے یا کچھ وقت کے لیے نافذ نہ کرنے یا اس سزا کو تبدیل کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔(۴)

۵۔ صدر کو مملکت کی پالیسیوں اور قانون سازی سے آگاہ رکھنا

وزیرِ اعظم کی ذمہ داری ہے کہ صدرِ مملکت کو ملک کے اندرونی اور بیرونی معاملات کے بارے میں ایسی تمام پالیسیوں اور قانون سازی کے متعلق آگاہ رکھے جن کو پارلیمنٹ کے سامنے منظوری کے لیے پیش کیا جانا ہو۔(۵)

---

(۱) ایضاً، آرٹیکل ۴۵

(۱) ایضاً، آرٹیکل ۴۵

(۱) ایضاً، آرٹیکل ۴۱ شق ۳

(۱) ایضاً، آرٹیکل ۴۵

(۱) آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان، آرٹیکل ۴۶

۶۔ صدر وزیر اعظم کی تجویز سے اتفاق کرے گا

۱۔ آئین کے آرٹیکل ۴۸ کے تحت صدر، اپنے کارہائے منصبی کی انجام دہی میں، کابینہ (یا وزیر اعظم) کے مشورے کے مطابق عمل کرے گا؛ تاہم مشورہ وصول ہونے کے پندرہ دن کے اندر صدر کابینہ یا وزیر اعظم کو ایسے مشورے پر دوبارہ غور کرنے کے لیے ہدایت کر سکتا ہے اور صدر دوبارہ غور کے بعد دیے گئے مشورے کے مطابق" دس دن کے اندر" عمل کرے گا۔

۲۔ صدر کسی ایسے معاملے کی نسبت جس کے بارے میں آئین کی رُو سے اسے ایسا کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، اپنی صوابدید پر عمل کرے گا اور کسی ایسی چیز کے جواز پر جو صدر نے اپنی صوابدید پر کی ہو کسی وجہ سے، خواہ کچھ بھی ہو، اعتراض نہیں کیا جائے گا۔[۱]

۷۔ نگران کابینہ

اسمبلی کی اپنی معیاد کی تکمیل پر یا آرٹیکل ۵۸ کے تحت اس کی تحلیل پر صدر نگران کابینہ مقرر کرے گا۔ تاہم صدر نگران وزیر اعظم کا انتخاب جانے والی اسمبلی کے وزیر اعظم اور قائد حزب اختلاف کے مشورے سے کرے گا۔[۲]

پارلیمانی نظام میں سربراہ کے اختیارات

آئینِ پاکستان کے مطابق کئی امور میں وزیرِ اعظم پاکستان صدرِ مملکت کے ساتھ اختیارات میں شامل ہے اس لیے ذیل میں کچھ مشترکہ اختیارات کا جائزہ لیا گیا ہے اور پھر ان دونوں کے اختیارات کا توازن بیان کیا گیا ہے

کابینہ بنانے کا اختیار

صدرِ محترم وزیرِ اعظم کی مشاورت سے ملک کا نظام چلانے کے لیے وزراء اور وزرائے مملکت کا تعین کرتے ہیں جسے عرف میں کابینہ کا نام دیا جاتا ہے۔ کابینہ میں دونوں ایوانوں کے ارکان کو شامل کیا جاتا ہے، مگر سینٹ کے ایوان سے جن افراد کو کابینہ کا رکن نامزد کیا جاتا ہے وہ قومی اسمبلی کے ممبران جو مرکزی کابینہ میں ہوتے ہیں کے چوتھے حصے سے بڑھنے نہیں دیئے جاتے۔ اس لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ارکانِ سینٹ کی نمائندگی وفاقی کابینہ میں بنسبت قومی اسمبلی کے ارکان کے کم ہوتی ہے۔ کابینہ میں شامل لوگ اپنے محکموں کا قلمدان سنبھالنے پہلے صدرِ مملکت کے روبرو اپنے عہدے کا حلف اٹھاتے ہیں صدرِ پاکستان ان سے آئینِ پاکستان میں لکھے ہوئے حلف کے متن

---

(۱) آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان، آرٹیکل ۴۸

(۱) ایضاً

پر حلف لیتے ہیں، حلف لینے کے بعد ان کو بذریعہ نوٹیفکیشن ان کے محکمے کا قلمدان سانپ دیا جاتا ہے۔ کسی بھی محکمے کا وزیر اپنی وزارت سے استعفی دے سکتا ہے اس کے لیے وزیر صدرِ مملکت کو اپنے دستخطوں سے استعفیٰ پیش کرے گا، ایسے ہی صدرِ مملکت کسی وزیر کو وزیرِ اعظم کی مشاورت سے برطرف کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ (۱)

پاکستان کے پارلیمانی نظام میں اختیارات کا توازن

پاکستان پارلیمانی نظام کے تحت چلنے والا ملک ہے، پارلیمانی نظام میں اختیارات وزیرِ اعظم کے پاس ہوتے ہیں، صدرِ مملکت کے اختیارات پارلیمانی نظام میں واجبی سے ہوتے ہیں، پاکستان میں سابقہ کچھ ادوار میں صدرِ پاکستان کے پاس بڑے اختیارات ہوتے تھے، جو کہ آئینِ پاکستان میں کی گئی آٹھویں ترمیم سے صدرِ پاکستان کو حاصل ہوئے تھے، مگر اب آئینِ پاکستان مین کی گئی سترہویں اور اٹھارہویں ترمیمات نے وہ اختیارات واپس وزیرِ اعظم کو تفویض کر دیئے ہیں، جس سے اداروں میں تقرریاں وزیرِ اعظم کے دائرہ اختیار میں آتی ہیں، ملک نظم ونسق چلانا اور ملکی پالیسی بنانا، یہاں تک کہ قانون سازی میں بھی وزیرِ اعظم کی رائے کو اہمیت دی جاتی ہے، وزیرِ اعظم کے اختیارات میں توازن لانے کے لیے اب آئینِ پاکستان مملکتی نظام چلانے کے لیے پارلیمنٹ کو اختیار تفویض کرتا ہے جس سے یہ نظام صرف وزیرِ اعظم کے اختیارات سے نکل کر پارلیمنٹ کے اختیارات کے دائرہ کار میں آگیا ہے۔ (۲)

آئینِ پاکستان میں کی جانے والی اہم تبدیلیاں جن کے ذریعے سے اختیارات کی تقسیم میں توازن پیدا کیا گیا درج ذیل ہیں۔

ا۔ نمایاں ترین چیز آئینِ پاکستان سے جسے حذف کیا گیا ہے وہ ہے ۵۸ (۲) ب ہے اس دفعہ کے تحت صدرِ پاکستان قومی اسمبلی توڑنے کا اختیار رکھتا تھا اور اس کے نمائندے یعنی گورنرز صوبوں میں صوبائی اسمبلیاں توڑنے کا اختیار رکھتے تھے جس پر سپریم کورٹ مواخذہ کر سکتی تھی لیکن اب سترہویں ترمیم میں ایسے اقدام کو آپ سے آپ سپریم کورٹ میں جائزے کے لیے لازمی قرار دیا گیا ہے، ۵۸ (۲) ب کے کسی زمانے میں بڑے چرچے ہوتے تھے اور ہر پارلیمانی حکومت کے لیے یہ دفعہ ایک ڈراؤنے خواب کی طرح ہر روز خواب میں بھی اس کا خیال رہتا تھا جس کو اب ختم کر دیا گیا ہے۔

---

(۱)۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور، آرٹیکل ۹۲، ص ۵۹

(۲)۔ ایضاً، آرٹیکل ۹۷، ص ۶۰

۲۔ سترہویں ترمیم سے پہلے افواجِ پاکستان کے سربراہ مقرر کرنے کا اختیار صدر کے پاس ہوتا تھا چاہے وہ نیوی کا سربراہ ہو یا ائیر فورس کا سربراہ ہو یا وہ بری فوج کا سربراہ ہو یعنی چیف آف سٹاف کا تعین صدر پاکستان کے دائرہ اختیار میں آتا تھا۔ جو کہ اس ترمیم کے ذریعے سے وزیرِ اعظم کے اختیار میں دے دیا گیا ہے۔

۳۔ اس ترمیم سے پہلے ملکی پالیسی ترتیب دینے میں صدرِ پاکستان کی مشاورت کی پابندی ضروری تھی اب اس میں ترمیم کر کے یہ کہہ دیا گیا ہے کہ وزیرِ اعظم صدرِ مملکت کو ملکی امور کے بارے مین آگاہ تو کرے گا لیکن صدر خود سے کوئی قانون اور پالیسی نہیں بنا سکتا۔

۴۔ اسی طرح نمایاں تغیر کیا گیا کہ مملکت کا نظم و نسق چلانے کا اختیار جو صدر کو حاصل تھا اسے ختم کر کے وہ اختیار اب وفاقی حکومت کو حاصل ہو گیا ہے، اب صدرِ مملکت اور اس کے نمائندے یعنی گورنرز نظم و نسق چلانے میں حکومتی کام میں مداخلت نہیں کر سکتے۔ [1]

پارلیمنٹ اختیارات کا محور

آئینِ پاکستان میں کی جانے والی تبدیلیاں یا ترامیم ملک پاکستان میں رائج جمہوری پارلیمانی نظام کو شخصی اجارہ داری میں سے نکالنے کے لیے کی گئی ہیں تا کہ یہ نظام صرف وزیرِ اعظم کی صوابدیدی اختیارات کا مرکز نہ بن جائے۔

ا۔ نمایاں طور پر الیکشن کمیشن کے ادارے اور اس کے اراکین کے تقرر کو سیاسی دباؤ سے نکال دیا گیا ہے جس سے یہ کسی کی طرف داری نہیں کرے گا اور انتخابات کا عمل شفاف کرنے کے لیے یہ اقدام ضروری تھا جس سے عوام کو انتخابی عمل کی شفافیت پر سوال اٹھانے کا موقع نہیں ملے گا، جو کہ جمہوریت کی بقا کے لیے ضروری ہے تا کہ لوگوں کا انتخابی عمل پر یقین بنا رہے، اس کے لیے الیکشن کمیشن کے ادارے کو آزاد اور با اختیار ادارہ بنایا گا، اس میں اختیار صرف الیکشن کمشنر کا نہیں ہو گا بلکہ یہ بطور ادارہ کے کام کرے گا اس میں تمام صوبوں سے ایک ایک نمائندہ لیا جائے گا جو کہ ریٹائرڈ جج صاحبان ہوں گے، اس ادارے کا سربراہ صرف وزیرِ اعظم نہیں مقرر کرے گا بلکہ اپوزیشن لیڈر کی مشاورت سے تین نام تجویز ہوں گے پھر وہ تجویز کردہ ناموں پر پارلیمنٹ کی کمیٹی جو کہ ۱۲ ارکانِ پارلیمنٹ پر مشتمل ہو گی جس میں ایوانِ بالا یعنی سینٹ کے ارکان ۴ ہوں گے وہ ان میں سے ایک نام کی منظوری دے گی، چیف الیکشن کمشنر کی مدت تقرری ۵ سالوں کے لیے کی جا سکے گی، چیف الیکشن کمشنر کی مدتِ ملازمت بڑھایا نہیں جا سکے گا۔ [2]

---

(۱)۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور، آرٹیکل ۹۹، ص ۶۰

(۲)۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور، آرٹیکل ۲۱۳، ص ۱۳۷

۲۔ انتخابات کی شفافیت کے لیے حکومتی دسترس سے الیکشن کمیشن کے ادارے کو دور کر دیا گیا الیکشن کمیشن کے ادارے کو جدید دنیا ہم آہنگ بنا کر اس کے معیار کو بہتر بنایا گیا ہے۔ [۱]

۳۔ اسی طرح ججوں کا تقرر کا نظام ہر سطح کے 'صوابدیدی اختیار' سے نکال دیا گیا ہے، اب پہلے سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ چیف جسٹس کے اگلا چیف جسٹس کون ہو گا، نہ تو چیف جسٹس کو توسیع مل سکتی ہے اور نہ ہی کسی جونیئر جج کو چیف جسٹس بنایا جا سکتا ہے، ججوں کے تعین میں حتمی فیصلہ عدالتِ عظمیٰ کا ہو گا۔ [۲]

---

(۱)۔ ایضاً، آرٹیکل ۲۴۲، ص۱۵۹

(۲) ایضاً، آرٹیکل ۱۷۷، ص ۱۰۵

نتائج مقالہ

مقالہ سے جو امور منتج ہوئے وہ ذیل میں قلمبند کئے جارہے ہیں۔

۱۔ اسلامی مملکت ایک فلاحی مملکت ہے جس میں رنگ و نسل، قوم، مذہب سے قطع نظر پوری مملکت کے باشندگان کے حقوق پیشِ نظر ہوتے ہیں۔

۲۔ خلفائے راشدین کے اوصاف اور حکومت موجودہ حکمرانوں کے لیے بہترین نمونہ ہیں۔

۳۔ اسلامی ریاست کی بنیادی اساس قرآن و سنت ہے۔

۴۔ اسلامی نظام میں سربراہ کے اوصاف جامع اور عمدہ ہیں جبکہ جمہوری ریاست میں سربراہ کے اوصاف غیر واضح ہیں۔

۵۔ ریاستِ اسلامی میں مملکت کے سربراہ جن صفات، قیود و حدود کے پابند ہوتے ہیں وہ واضح ہیں جبکہ جمہوری نظام میں اہلیت کی شرائط غیر واضح ہیں۔

۶۔ اسلامی نظام میں سربراہ مملکت کی ذمہ داریاں ظاہر ہیں جبکہ جمہوری مملکت میں سربراہ مملکت کی ذمہ داریاں مبہم طور بیان کی گئی ہیں۔

۷۔ ریاستِ اسلامی میں رعایا کی خدمت کا جذبہ اجر و ثواب کی نیت سے اور اللہ کے ڈر سے کارفرما ہوتا ہے جبکہ جمہوریت میں عوام کی خدمت کا جذبہ عوام کی خوشنودی کی بنیاد پر کارفرما ہوتا ہے۔

۸۔ اسلامی نظام کی روشنی میں جمہوری نظام میں بہتری لائی جاسکتی ہے۔

سفارشاتِ مقالہ

۱۔ سربراہِ مملکت قابلیت و اہلیت کی بنیاد پر منتخب ہونا چاہیئے جو اہلیت کی شرائط اسلامی نظام حکمرانی میں ایک ریاست کے سربراہ کے لیے رکھی گئی ہیں۔

۲۔ پاکستان اسلامی جمہوری ملک ہے۔ جس کا آئین اللہ کی کتاب اور نبی کریم ﷺ کی احادیث پر مبنی ہے۔ لہذا سربراہ مملکت کے لیے دینی علوم کا جاننا ضروری ہے۔ تاکہ اسلامی نظام کا نفاذ اللہ کی کتاب اور نبی کریم ﷺ کی احادیث روشنی میں کر سکے۔

۳۔ پاکستان کے سربراہ مملکت کا چناؤ آئین کی روشنی میں کیا جائے۔

۴۔ سربراہ مملکت کے لیے اسلامی اوصاف کا حامل ہونا چاہیے۔

۵۔ سربراہ مملکت کو حاصل اختیارات قرآن وسنت کے مطابق ہونے چاہئیں۔

۶۔ پارلیمنٹ کے نظام کو عملاً شورائی نظام بنایا جائے۔

۷۔ ہمارے ہاں رائج تو پارلیمانی جمہوری نظام ہے جس میں ووٹ امیدوار کو ملتے ہیں جبکہ ووٹ پارٹی کو ملنے چاہئیں۔

۸۔ انتخابات میں عام آدمی کو شامل ہونے کا موقع دیا جائے۔ جس کے لیے انتخابات میں بے تحاشہ اخراجات کو روکا جائے۔

۹۔ ووٹنگ کے عمل کو پرامن بنانے کے لیے ماہرین آئی ٹی کی خدمات حاصل کی جائیں۔

فہرست آیات

نمبر شمار	آیات	سورة/آیات نمبر	صفحہ نمبر
۱.	﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ ---﴾	سورة البقرة:۲/۳۰	۱۰۶
۲.	﴿قَالَ إِنِّىۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَاماً﴾	سورة البقرة۲/۱۲۴	۱۴
۳.	﴿وَزَادَهٗ بَسۡطَةً فِىۡ الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡمِ﴾	سورة البقرة:۲/۲۴۷	۷۸
۴.	﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الۡمُلۡكِ تُؤۡتِي الۡمُلۡكَ -----------﴾	سورة آلِ عمران:۳/۲۶	۱۰۸
۵.	﴿ وَاعۡتَصِمُوا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ﴾	آل عمران:۳/۱۰۳	۴۳
۶.	﴿وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَدۡعُوۡنَ إِلَى الۡخَيۡرِ --﴾	آل عمران:۳/۱۰۴	۳۱
۷.	﴿وَ لَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ تَفَرَّقُوۡا وَ اخۡتَلَفُوۡا ------ ﴾	آل عمران:۳/۱۰۵	۴۴
۸.	﴿كُنۡتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ ----- ﴾	آل عمران:۳/۱۱۰	۴۴
۹.	﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيۡنَ آمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَةً مِّنۡ -----﴾	سورة العمران: ۳/۱۱۸	۷۳
۱۰.	﴿وَشَاوِرۡهُمۡ فِي الۡاَمۡرِ﴾	آل عمران:۳/۱۵۹	۴۱
۱۱.	﴿ إِنَّ اللّٰهَ يَأۡمُرُكُمۡ أَنۡ تُؤَدُّوا الۡأَمَانَاتِ إِلٰى أَهۡلِهَا﴾	سورة النساء:۴/۵۸	۳۴
۱۲.	﴿وَآتَيۡتُمۡ إِحۡدَاهُنَّ قِنطَارًا﴾	سورة النساء:۴/۲۰	۵۳
۱۳.	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيۡنَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ--﴾	النساء:۴/۵۹	۱۸،۲۹
۱۴.	﴿وَإِذَا جَآءَهُمۡ اَمۡرٌ مِّنَ الۡاَمۡنِ اَوِ الۡخَوۡفِ-------﴾	سورة النساء: ۴/۸۳	۷۷
۱۵.	﴿ قَالُوۡۤا اَلَمۡ تَكُنۡ اَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً ------ ﴾	سورة النساء:۴/۹۷	۴۷
۱۶.	﴿وَ تَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡبِرِّ وَ التَّقۡوٰى ۖ وَ لَا تَعَاوَنُوۡا ----﴾	المائدة:۵/۲	۴۴
۱۷.	﴿اذجعل فيكم انبياء وجعلكم ملوكاً﴾	المائدة:۵/۲۰	۳۹
۱۸.	﴿وَمَن لَّمۡ يَحۡكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ﴾	المائدة:۵/۴۵	۷۵
۱۹.	﴿ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ -- ﴾	المائدة۵/۴۸	۴۲
۲۰.	﴿مَا فَرَّطۡنَا فِى الۡكِتٰبِ مِنۡ شَىۡءٍ﴾	الانعام:۶/۳۹	۳۸
۲۱.	﴿أَلَا لَهُ الۡخَلۡقُ وَالۡأَمۡرُ﴾	الاعراف:۷/۵۴	۱۰۵
۲۲.	﴿فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الۡكُفۡرِ إِنَّهُمۡ لَا أَيۡمَانَ لَهُمۡ﴾	التوبة:۹/۱۲	۱۴

۲۳.	﴿قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ -------﴾	یونس:۱۰/۳۱-۳۲	۱۰۶
۲۴.	﴿ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ﴾	سورۃ یوسف:۱۲/۴۰	۱۰۴
۲۵.	﴿ وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا﴾	الاسراء:۱۷/۸۰	۴۰
۲۶.	﴿ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴾	سورۃ الانبیاء:۲۱/۱۰۵	۴۵
۲۷.	﴿الَّذينَ إن مَكَّنّهُم فِي الأَرضِ --------﴾	الحج:۲۲/۴۱	۷۶
۲۸.	﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا ---------﴾	النور:۲۴/۵۵	۴۵
۲۹.	﴿وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا﴾	سورۃ الانبیاء:۲۱/۷۳	۱۴
۳۰.	﴿ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا ---﴾	سورۃ الحج:۲۲/۴۱	۳۱
۳۱.	﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا --------﴾	سورۃ النور:۲۴/۵۵	۳۹
۳۲.	﴿وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَاماً﴾	سورۃ الفرقان۲۵/۷۴	۱۴
۳۳.	﴿أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا ----﴾	سورۃ النمل:۲۷/۶۲	۱۰۶
۳۴.	﴿وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِيْنَ﴾	سورۃ القصص:۲۸/۵	۱۴
۳۵.	﴿ وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۖ﴾	سورۃ القصص:۲۸/۴۱	۱۴
۳۶.	﴿وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا﴾	سورۃ السباء:۳۴/۲۸	۵۱
۳۷.	﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ -----﴾	سورۃ فاطر:۳۵/۳۹	۱۰۷
۳۸.	﴿ وَاٰتَیْنٰهُ الْحِکْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴾	سورۃ ص: ۳۸/ ۲۰	۷۹
۳۹.	﴿أَقِيمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيْهِ﴾	سورۃ الشوریٰ :۴۲/۱۳	۱۷
۴۰.	﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۖ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ۖ﴾	سورۃ الشوریٰ:۴۲/۱۵	۱۱۸
۴۱.	﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾	سورۃ الشوریٰ:۴۲/۳۸	۴۱
۴۲.	﴿فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ﴾	سورۃ الزخرف:۴۳/۵۴	۱۲۱
۴۳.	﴿حَتّٰی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً﴾	سورۃ الاحقاف:۴۶/۱۵	۷۸
۴۴.	﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ------﴾	سورۃ الحجرات: ۴۹/۱۳	۵۱
۴۵.	﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴾	الذاریات:۵۱/۵۶	۴۶
۴۶.	﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ --﴾	سورۃ الحدید:۵۷/۲۵	۴۵

فہرست احادیث

نمبر شمار	احادیث	کتب احادیث	صفحہ نمبر
۱.	إذا ضُيِّعَتِ الأمانة فانتظر الساعة قال: -----	صحیح بخاری	۷۳
۲.	الاكلكم راعٍ وكلكم مسئول عن رعيته	صحیح بخاری	۵۰
۳.	الإمام الأعظم الذي علیٰ الناس راع	صحیح بخاری	۱۵
۴.	ان الله حرم عليكم دماؤكم واموالكم -----	صحیح بخاری	۱۱۷
۵.	إن تطعنوا في إمارته فقد كنتم تطعنون في-----	صحیح بخاری	۷۴
۶.	إنما الطاعة في المعروف	صحیح بخاری	۳۰
۷.	إنها أمانة وإنها يوم القيامة خزي وندامة،-----	صحیح بخاری	۷۳
۸.	الائمة من قريش	مسند الامام احمد	۱۵
۹.	سبعة يظلهم الله في ظله يوم لا ظل-----	صحیح مسلم	۱۵
۱۰.	السمع والطاعة علیٰ المرء المسلم فيما ا-----	صحیح بخاری	۳۰
۱۱.	طلب العلم فريضة علیٰ كل مسلم	صحیح بخاری	۳۳
۱۲.	كتاب الله فيه نبأ ماكان قبلكم وخبرما -----	جامع ترمذی	۷۵
۱۳.	لَا إِسْلَامَ إِلَّا بِجَمَاعَةٍ، وَلَا جَمَاعَةَ إِلَّا بِإِمَارَةٍ،-----	سنن الدارمی	۵۱
۱۴.	لعن رسول الله ﷺ علیٰ الراشی والمرتشی	سنن ابوداؤد	۱۱۶
۱۵.	لَقَدْ هَمَمْتُ أَوْ أَرَدْتُ أَنْ أُرْسِلَ إِلَى أَبِي -----	صحیح بخاری	۹۳

فہرست اعلام

نمبر شمار	اعلام	صفحہ نمبر
۱.	ابن بطال	۸۹
۲.	ابنِ خلدون	۱۳
۳.	ابنِ منظور افریقی	۱۲
۴.	ابوالحسن	۹۰
۵.	ابوالکلام	۹۱
۶.	امام قرطبی	۸۹
۷.	پروفیسر گارنز	۵
۸.	سیّد مودودی	۵
۹.	شاہ ولی اللہ	۴
۱۰.	شاہ ولی اللہ	۹۰
۱۱.	علامہ اقبال	۶۰
۱۲.	علامہ قلقشندی	۹۰
۱۳.	غزالی	۳۸
۱۴.	فارابی	۴
۱۵.	محمد علی جناح	۷

فہرست مصادر و مراجع

- ابنِ منظور، لسان العرب، جمال الدین محمد بن مکرم، دار صادر، ۱۹۷۲، بیروت
- ابو النصر محمد بن محمد بن ترخان، احصاء العلوم،، الفارابی، طبع قاہرہ ۱۹۴۹
- ابی یعلی محمد بن الحسین الفراء الحنبلی، الاحکام السلطانیۃ، مکتبہ مصطفیٰ البابی، مصر
- علی بن محمد الماوردی ،ناشر مصطفی البابی ،الأحکام السلطانیۃ، ۱۹۹۳، قاھرۃ، مصر
- مفتی تقی عثمانی، اسلام اور سیاست، مکتبہ ادارۃ المعارف، کراچی
- علامہ رشید رضا مصری، اسلام کی دس امتیازی خصوصیات، دعوہ اکیڈمی اسلام آباد، 2017
- محمد اسرار مدنی، اسلام، جمہوریت اور آئینِ پاکستان، ادارہ امن تعلیم، اسلام آباد
- محمد ریاض معتمد قومی اسمبلی، اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور، ۷ جنوری 2015، اسلام آباد
- امین اصلاحی، اسلامی ریاست، دارالتذکیر ، طبع ۲۰۰۶ء ، لاہور
- اسلامی ریاست، علامہ مودودی، اسلامیک پبلیکیشنز، ۲۰۰۰ء، لاہور
- ڈاکٹر سلیم اختر، اقبالیات کے نقوش، اقبال اکیڈمی، لاہور، پاکستان
- علامہ سعید الخوری، اقرب الموارد، مکتبہ النصر، ایران
- شان الحق حقی، اوکسفورڈ اردو انگلش ڈکشنری، اوکسفورڈ پرنٹنگ پریس، راولپنڈی، ۲۰۱۸ء
- طیب زیدی، اولادِ نور و اولادِ ظلمت، رینولڈ نیبور، مترجم مکتبہ دار الجمیل، لاہور
- ابو النصر محمد الفارابی، آراء اہل مدینہ الفاضلہ ، ط المطبع السعادۃ مصر ۱۹۰۶ء
- لارڈ کلیمنٹ ایٹلی سابق برطانوی وزیر اعظم آکسفورڈ میگزین، تقریر ۱۴ جون ۱۹۵۷ء، انگلینڈ
- علامہ محمد اقبال، بانگ درا، جمہوریت، حصہ سوم، ۱۹۰۸ء
- امام غزالی، البر المسبوک فی نصائح الملوک، دار الکتب العلمیۃ، بیروت لبنان، ۱۹۸۸ء
- ابراہام لنکن، پہلا خطبہ صدارت، امریکی صدر ۴ مارچ ۱۸۶۱ء
- الزبیدی، محمد مرتضیٰ، تاج العروس من جواھر القاموس ،مکتبۃ الحیاۃ، ۲۰۰۳،
- ابو بکر احمد بن علی المعروف الخطیب البغدادی، تاریخ الخطیب البغدادی، دار الغرب الاسلامی، بیروت
- أبی زھرۃ ،تاریخ المذاھب الاسلامیہ، دار الفکر العربی، ۱۹۷۵، بیروت،
- ابن جریر طبری، تاریخ طبری، (مترجم، سید محمد ابراہیم ایم۔اے ندوی): دارالاشاعت کراچی، ۲۰۰۳ء
- فیصل احمد ندوی بھٹکلی، تحریک آزادی میں علماء کا کردار، ماہنامہ دارالعلوم، شمارہ نمبر ۴، انڈیا

- پروفیسر محمد امین جاوید، تعارف مدنیت، ایم اے
- اسماعیل بن عمر بن کثیر، تفسیرِ ابن کثیر، دار الھجر، ط۱۹۹۷
- امام قرطبی، تفسیر القرطبی، دار الفکر، بیروت
- آلوسی البغدادی، تفسیر روح المعانی، علامہ احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان
- تقاریر و بیانات، قائد اعظم قدیمی کتب خانہ، کراچی
- محمد نجیب المطیعی، تکملہ المجموع شرح المھذب، مکتبہ زکریا علی یوسف
- ابن عبد البر الاندلسی المالکی، جامع بیان العلم وفضلہ، ناشر دار ابن جوزی، دمام سعودی عرب، ۱۹۹۴
- ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، ضیاء جامع ترمذی، احسان پبلشرز، ۱۹۸۸
- نیلسن منڈیلا، جدوجہد میری زندگی ہے، جنوبی افریقہ، مترجم ایم اے جاوید، مکتبہ رشیدیہ کراچی
- ولادیمیر ایلیچ لینن، جمہوریت اور ریاست، مترجم ایس اے حمید، مکتبہ العرفان، ۲۰۰۱، کراچی
- مفتی رضوان احمد، جمہوریت کی حقیقت، مکتبہ الحکیم، لاہور
- مفتی رضوان احمد، جمہوریت کی حقیقت، مکتبہ الحکیم، لاہور
- عظیم احمد، جمہوریت کی کہانی، القلم، کراچی
- وجاہت مسعود، جمہوریت کیا ہے، ناشر، بلیو ویز، اسلامیہ کلب بلڈنگ خیبر بازار، پشاور
- ولیم رالف انگ، ناشر ارنسٹ بین، جمہوریت، لندن، ۱۹۲۶، مترجم اقبال اکیڈمی، لاہور
- ابو نصر، جمہوریہ، افلاطون، مترجم دار الفکر، ۱۹۷۶ بیروت
- حجۃ اللہ البالغہ، قطب الدین شاہ ولی اللہ، بیروت لبنان
- یحیٰ بن اشرف النووی، ریاض الصالحین، مترجم حافظ صلاح الدین یوسف، دار السلام لاہور
- امام ابو عبد اللہ بن زید ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، دار السلام، ۱۹۹۶، ریاض، سعودی عرب
- سید قطب، عدالت اجتماعی در اسلام، کلبہ شروق، تھران، ۱۹۶۳ء
- علامہ شبلی نعمانی، الفاروق، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، لاہور
- احمد بن علی بن حجر العسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، دار الکتب السلفیہ، سعودی عرب
- ڈاکٹر منظور خراسانی، فرانس کا انقلاب، ۲۰۰۳ تھران، ایران
- مجد الدین محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، الفیروز آبادی، ۱۹۸۵، دار الجیل، بیروت
- وحید الزمان، القاموس الوحید، ادارہ اسلامیات، لاہور ۲۰۰۱

- ایم رشید، متحدہ ریاستہائے امریکہ، مکتبہ قدوسیہ، لاہور
- مولانا ابوالکلام آزاد، مسئلہ خلافت، مکتبہ جمال لاہور
- مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی
- عبدالرحمٰن بن محمد المعروف علامہ ابنِ خلدون، مقدمہ ابنِ خلدون، دار الباز، ۲۰۰۱، مکہ، سعودی عرب

- Definition of democracy, www.merriam- Webster.com ,5 july 2018
- Democracy, encyclopedia Britannica, , p 215
- Democracy, encyclopedia Britannica, William Benton, frederick 1970
- Enecyelopeadia of Social Seiences, New York ,Vol.14,
- The American heritage English Dictionary, Houghton Mifflin Harcourt, 2011, USA
- The Oxford English Dictionary, James Murray, Oxford university press ,1 february 1884, United Kingdom ,
- William Little H.W Fowler J. Coulson, the shorter Oxford English Dictionary The1965،